تفسیروں کے نام بھی لکھ دیے گئے ہیں، اسلامی عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کے احکام وہدایات، عبادات، غسل، وضو، تیمم اور عقیقہ وغیرہ کے طریقے اور ان کے متعلق آیات، اذکار اور مسنون دعائیں بھی ترجمہ کے ساتھ دیدی گئی ہیں، اس طرح یہ کتاب قرآن اور مذہب کے متعلق متنوع ومتفرق معلومات کا ایسا کشکول ہے جس سے ہر مسلمان فائدہ اٹھا سکتا ہے، لیکن اس کو بچوں کے لیے لکھا گیا ہے، اس لیے زیادہ مستند اور تحقیقی نہیں ہے، مرتب سے بعض فروگذاشتیں بھی ہوئی ہیں، مثلاً اسلامی ارکان میں زکوٰۃ اور حج کے اہم جز قربانی کے احکام ومسائل تحریر نہیں کیے گئے ہیں، اخلاق ومعاشرت کا حصہ جو بہت ضروری تھا دوسرے حصوں کے مقابلہ میں بالکل ناکافی ہے، تاہم مرتب کی محنت قابل داد ہے۔

دیوان ناشاد۔ از جناب این۔ بی۔ سین ناشاد دہلوی صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، عمدہ کتابت وطباعت غنیمت، صفحات ۲۴۰ مجلد مع گردپوش، قیمت عللہ، پتہ: نیو بک سوسائٹی آف انڈیا، پوسٹ بکس نمبر ۲۵۰ نئی دہلی۔

جناب این۔ بی۔ سین ناشاد دہلوی، طنز ومزاح نگار شاعر ہیں اور یہ دیوان انکے کلام کا مجموعہ ہے، جو سات حصوں میں منقسم ہے، سیر وسیاحت، بزم خوباں، سیاسی گولہ باری، روحانی دنیا، شاعروں کی دنیا، غزلیں اور قطعات۔ ناشاد صاحب نے موجودہ دور اور ماحول کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اور مختلف طبقوں کی ذہنی واخلاقی پستیوں اور خرابیوں کا بڑے دلچسپ انداز میں خاکہ کھینچا ہے، جنسی آوارگی وفحاشی، اہل سیاست وارباب حکومت کی خود غرضی، مذہبی علمبرداروں اور شاعروں کے مزاج وکردار پر خصوصیت سے بھرپور طنز کیا ہے۔ اس حیثیت سے ان کا کلام بڑا دلچسپ اور سبق آموز ہے لیکن کہیں کہیں ان کے کلام میں ابتذال کا رنگ آگیا ہے، اور شوخ تصویروں کی اشاعت ذوق لطیف پر بار گزرتی ہے۔

"ض"

جلد ۱۰۲۔ ماہ شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۶۸ء۔ عدد ۵

مضامین

شذرات

سید نجیب اشرف صاحب مرحوم کی موت کا زخم ابھی تازہ تھا کہ ندوے کے ایک اور نامور فرزند یٰسین احمد جعفری نے بھی داغِ مفارقت دیا، اکتوبر کی آخری تاریخوں میں پاکستان میں انکا انتقال ہوا، جوار لکھنؤ کا قصبہ خیرآباد انکا وطن تھا، مشہور شاعر ریاض خیرآبادی کے نواسے تھے، راقم جب ندوہ میں آخری درجوں میں تھا، مرحوم ابتدائی درجوں میں تھے، عربی کی تعلیم کے بعد جامعہ ملیہ میں انگریزی کی تعلیم حاصل کی، پھر خلافت اخبار بمبئی کے اڈیٹوریل اسٹاف میں ملازم ہوگئے، بعد میں اسکے اڈیٹر بھی ہوگئے تھے، قیام پاکستان کے بعد لاہور چلے گئے۔

مرحوم میں تالیف و تصنیف کا ذوق فطری تھا، طالبعلمی کے زمانے میں بھی خامہ فرسائی کیا کرتے تھے، انکے قلم میں بڑا زور تھا، جس پر انکی پہلی تصنیف سیرت محمد علی شاہد ہے، اسوقت انکی عمر پچیس چھبیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی، بڑے زود نویس تھے، انکا قلم ہمیشہ رواں دواں رہتا تھا، بڑی بڑی ضخیم کتابیں چند دن میں لکھ ڈالتے تھے، ادب و افسانے سے لیکر تاریخ و مذہبیات تک میں انکے قلم کی جولانی یکساں تھی، ہر صنف میں انکی تصانیف موجود ہیں، اس دور کے مصنفین میں کثرت تصانیف کے لحاظ سے انکا نام سرفہرست ہوگا، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے قیام کے بعد اس سے متعلق ہوگئے تھے، اور اسکے لیے کئی کتابیں لکھیں، اسکے رسالہ ثقافت اسلامیہ حال المعارف میں انکے مضامین نکلتے رہتے تھے، اسکے تازہ اکتوبر نمبر میں بھی ان کا ایک مضمون "عالمِ اسلام سے مسلمانانِ عالم کی وابستگی" شائع ہوا ہے، کیا خبر تھی کہ یہ انکا آخری مضمون ہے۔

ابھی چند سال ہوئے لاہور کے چند اہل علم کی شرکت سے "محمد علی اکیڈمی" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا، اس سلسلہ میں راقم سے بھی خط و کتابت کی تھی، اور مولانا شوکت علی محمد علی کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی تھی، جو علی برادران کے نام سے ادارہ کیجانب سے شائع ہوئی ہے، مولانا محمد علی کے کامریڈ کے

مضامین کا مجموعہ بھی مرتب کرکے شائع کیا تھا، مرحوم کا قلم دین کی خدمت میں بھی کوتاہ نہیں تھا، دینی اور اسلامی موضوعوں پر بھی کئی مفید کتابیں لکھیں، اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں مرحوم کی مغفرت فرمائے۔

یوں تو موت کے لیے عمر کی قید نہیں، جوان، بچے سبھی مرتے ہیں لیکن اپنے معاصرین اور قریبی تعلق رکھنے والوں کی موت کا دل پر خاص اثر پڑتا ہے، اور گوشِ عبرت کو یہ پیام سنائی دیتا ہے ع

نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

ہندوستان کے جمہوری اور سیکولر دستور نے اقلیتوں کو جو حقوق دیے ہیں، مختلف اسباب کی بنا پر ان پر پورا عمل نہ ہوسکا، جس سے ہر اقلیت غیر مطمئن ہے، خصوصاً مسلمانوں کو اپنی حق تلفی، بلکہ زیادتی کی بجا شکایت ہے، فرقہ وارانہ احیائی ذہنیت اور اسکی جارحیت نے پورے ملک میں بدامنی اور انتشار پیدا کردیا ہے، اس لیے اقلیتوں کی شکایتوں سے قطع نظر خالص ملکی مفاد کے نقطۂ نظر سے اس صورت حال کا تدارک ضروری ہوگیا ہے اور حکومت، کانگریس اور دوسری ترقی پسند پارٹیاں سنجیدگی سے اسکی طرف توجہ کرنے پر مجبور ہوگئی ہیں، حکومت نے اتحاد و یکجہتی کی کونسل قائم کی ہے، اگر اسکی تجویزوں پر پورا عمل ہوجائے تو بڑی حد تک صورت حال بدل سکتی ہے، کمیونسٹوں، مسلم مجلس اور کانگریسی اقلیتی محاذ نے اقلیتوں کے مسائل کے حل کیلئے اپنے اپنے کنونشن کیے ہیں، بعض دوسری جماعتوں کی طرف سے بھی اس قسم کی کوششیں ہورہی ہیں، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ملک کے موجودہ حالات کا عام احساس پیدا ہوگیا ہے، گو ابتک کا تجربہ یہی ہے کہ الیکشن کے قریب اقلیتوں کے ووٹ حاصل کرنے کیلئے حکومت اور سیاسی پارٹیوں کی توجہ ان کے مسائل کی طرف ہوجاتی ہے جس کا بعد میں کوئی اثر باقی نہیں رہتا، لیکن اب تنہا مسلمانوں کا نہیں بلکہ پورے ملک کی امن و سلامتی اور جمہوریت اور سیکولرزم کی موت و زندگی کا مسئلہ پیدا ہوگیا ہے، اس لیے ان تمام مسائل کا حل نکالنا ضروری ہے، ورنہ پورا ملک بدامنی کا شکار ہوجائے گا۔

اقلیتوں میں سب سے اہم مسئلہ مسلمانوں کا ہے، مختلف سیاسی اور تاریخی اسباب کی بنا پر فرقہ پرور جماعتوں کا سب سے زیادہ نشانہ وہی ہیں، دوسری اقلیتوں سے انکو اتنی پرخاش نہیں ہے اور پھر انکے مسائل بھی اتنے اہم نہیں ہیں اور ان

انکے حل کی طاقت بھی ہے، اسلیے وہ زیادہ دور تک مسلمانوں کا ساتھ نہیں دے سکتیں، تاہم جس حد تک بھی وہ ساتھ دے سکیں انکو ساتھ لے چلنا چاہیے، یہ بھی مسلم ہے کہ اکثریت کی مدد کے بغیر مسلمانوں کے مسائل حل نہیں ہو سکتے گو اس کا بڑا حصہ فرقہ پروری سے متاثر ہے لیکن ان میں انسانیت دوست بھی ہیں، جو مسلمانوں کے ساتھ بھی انصاف چاہتے ہیں، انکی ہمدردی و امداد حاصل کرنا ضروری ہے۔

مسلمانوں کے معاملہ میں تمام پارٹیوں کا طرز عمل یکساں ہے، جب کانگریس تک فرقہ پروری سے پاک نہیں ہے تو دوسری پارٹیوں کا کیا ذکر، اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں پر ساری زیادتیاں اسی کے دور حکومت میں ہوئیں اور اس نے انکا کوئی تدارک نہیں کیا، واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی زبانی دلجوئی کے علاوہ اس کو انکے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، اسکے باوجود وہ اپنے اصولوں کے اعتبار سے جمہوری اور سیکولر ہے جسکی وہ اب بھی مدعی ہے، اس کی ایک تاریخ ہے، اور اس کے ہاتھ میں قوت بھی ہے، اسلیے اگر وہ فرقہ پروروں کے غلبہ و اثر سے آزاد ہو جائے یا کم از کم اس میں اقلیتوں کی موثر قوت پیدا ہو جائے تو کسی نہ کسی حد تک انکی شکایتوں کا ازالہ ہو سکتا ہے، لیکن یہ دونوں باتیں بہت مشکل ہیں، کانگریس پر فرقہ پروروں کا اتنا غلبہ ہو چکا ہے اور وہ ان سے اسقدر دب چکی ہے کہ بظاہر ان سے رہائی ممکن نہیں ہے، خود کانگریس بھی اپنے اندر اقلیتوں کی قوت پسند نہیں کرتی، چنانچہ کانگریس اقلیتی محاذ کنونشن کی بھی اسکی جانب کوئی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی، اس لیے جب مسلمان اپنی قوت کے زمانہ میں کانگریس چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تو موجودہ حالات میں ان کی یا کسی اقلیت کے دوبارہ موثر قوت پیدا کرنے کی توقع امید موہوم سے زیادہ نہیں ہے، تاہم اقلیتوں کے مسائل کے حل کی ایک تدبیر یہ بھی ہے، اس لیے اس کا بھی تجربہ کر کے دیکھنا چاہئے، مگر جب تک کسی جماعت کی پشت پر کوئی قوت نہ ہو اس کی آواز کہیں بھی موثر نہیں ہو سکتی، اسلیے کانگریس کے اندر قوت پیدا کرنے کے ساتھ اپنی تنظیم کے ذریعہ بھی قوت پیدا کرنا ضروری ہے، ورنہ کانگریس کے اندر بھی ان کی آواز نہ ہوگی۔

اس مہینہ میں دارالمصنفین کے نوادر پر جو مضمون نکلا ہے اس میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں جن پر بعد میں نظر پڑی، آیندہ اسکی تصحیح کر دیجائے گی اور فی الحال یہ سلسلہ روک دیا جائے گا۔

مقالات

تہذیب کی تشکیل جدید

از جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۳)

مغربی تہذیب کے اقانیم ثلثہ مقام انسانی کی معرفت کے بعد دوسرے درجہ میں اقانیم ثلثہ کی معرفت ضروری ہے کہ اس کے بغیر نہ نصب العین و تصور حیات کی صحیح نشاندہی ہوتی ہے۔ اور نہ سیرت و تعمیر سیرت کا واضح نقشہ سامنے آتا ہے۔

مغربی تہذیب کے اقانیم ثلثہ یہ ہیں:- (۱) فکر و ضمیر کی حریت (۲) مادی ذہنیت اور (۳) ذوق حسن و جمال[1]

یہ تینوں یونانی و رومی تہذیب سے برآمد کیے گئے ہیں، اور تہذیب کی تشکیل کے لیے جس قدر ناگزیر ہیں اس سے زیادہ خطرناک ہیں یعنی اگر ان کو آزادی و بیباکی کے ساتھ نشو و نما پانے اور برگ و بار لانے کا موقع ملا تو وحشتناکی و ہوسناکی کے وہ مناظر سامنے آئیں گے کہ دنیا انگشت بدنداں رہ جائے گی اور اگر استعمال و طریق استعمال میں فطری حدود و قیود کا لحاظ رکھا گیا تو پھر ان سے زیادہ نفع بخش اور سودمند کوئی چیز نہیں ہو سکتی ہے۔

---

[1] تاریخ یورپ جلد اول و دوم مصنفہ آلیور فیشر پی، ایچ، ڈی اور فرڈیننڈ سیول پی، ایچ، ڈی

بدقسمتی سے مغربی تہذیب میں ان تینوں کو کسی خاص مزاحمت کے بغیر نشو ونما کا موقع ملا، ابتدا میں تمام قوتیں تعمیر کی طرف زیادہ متوجہ تھیں، اس لیے اس برگ وباری کے اثرات زیادہ نمایاں شکل میں نہ ظاہر ہوسکے، جب مدافعانہ قوتیں کمزور ہوئیں اور فکر و عمل کی جولانیاں خرمنِ انسانیت کو جلانے لگیں تو فلسفہ کے ذریعہ اس آگ کو بجھانے کی کوشش کی گئی، حالانکہ یہ آگ فلسفہ کی ارتیابیت سے نہیں بلکہ ایمان ویقین کی پختگی سے بجھ سکتی تھی،

تشکیل جدید کے اقانیم ثلاثہ

تشکیل جدید کے اقانیم ثلثہ یہ ہیں :-

(۱) ایمانی کیفیت، (۲) ماورائی ذہنیت اور (۳) ماوراء الوریٰ سے ربط وتعلق،

یہ تینوں انسان کے نیچرل کانسٹی ٹیوشن سے حاصل کیے گئے ہیں، تہذیب کی تشکیل میں اگر ٹھیک ٹھیک ان کو بروئے کار آنے کا موقع ملا تو انسان کی نورانی اصل نمایاں ہوگی، اور عقل وقلب، مادیت وروحانیت اور دین ودنیا کا ایسا آمیزہ تیار ہوگا جس سے عقل کو جذبات پر فتحمند بنانے میں سہولت ہوگی، نیز انسان اپنے مقام ومنصب کے مطابق زندگی بسر کرسکے گا.

اور اگر ان پر اقتدار پسندی وعیش پرستی کی ذہنیت کو غلبہ ہوگیا تو انسان جمود وخمود کی نذر ہوکر محراب ومنبر کی مقدس سرزمین کو بھی جنگ وجدل کے خون سے آلودہ کردے گا، جیسا کہ ہر قوم کے زمانۂ زوال میں اسکا مشاہدہ ہوتا ہے،

ذیل میں مزید وضاحت کے لئے ہر ایک کی تفصیل بیان کیجاتی ہے.

ایمانی کیفیت

ایمانی کیفیت ایک حسین امتزاج کا نتیجہ ہے

(۱) ایمانی کیفیت بے جان تصدیق اور جامد عقیدہ

سے نہیں بلکہ علم ویقین اور معرفت ومحبت کے حسین امتزاج سے پیدا ہوتی ہے، جس کے بعد انسان اپنی خواہش ومرضی کو اللہ کی مرضی وارادہ پر چھوڑ دیتا ہے، اور اپنے شیشہ دل کو گرد وغبار سے صاف کرکے صرف اللہ کی رضاجوئی پر لگا دیتا ہے،

قلب وذہن کی یہی کیفیت قوت وطاقت کا سرچشمہ اور تحریک وانقلاب کی کامیابی کی جان ہے،

اسی کے ذریعہ تہذیب کی تشکیل ہوتی اور زندگی کے وہ عناصر ابھرتے ہیں جو ترقی کے لیے درکار ہیں، کیونکہ اس کا براہ راست تعلق نفسیات سے ہے، جہاں افکار وتصورات کی تخلیق ہوتی اور سب سے پہلے انقلاب کی تخم ریزی ہوتی ہے،

ایمانی کیفیت کے بارے میں اجتماعیین کی رائیں

اس ایمانی کیفیت کے بارے میں اجتماعیین کی رائیں یہ ہیں:-

"قوت ایمانی ایک ایسی قوت ہے کہ جس میں یہ پیدا ہوجاتی ہے اس کی قوت میں دس گنا اضافہ کردیتی ہے"

انجیل میں بہت صحیح آیا ہے کہ "قوت ایمانی پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکتی ہے"، جو لوگ تاریخی انقلاب کے باعث ہوئے وہ چند مسکین اور ایماندار لوگ تھے، جن کی قوت ایمانی نہایت مضبوط اور مستحکم تھی، (روح الاجتماع ص ۷۷)

دوسری جگہ ہے :-

"جو شے ایک سپاہ کو دوسری پر کامیاب رکھتی ہے وہ خارجی مؤثرات نہیں ہیں (گو یہ بھی ہوتے ہیں) بلکہ ایک اندرونی قوت ہوتی ہے"

صرف اعتقادی قوت تھی جس نے عرب بادیہ نشین کو کسریٰ وقیصر کی ٹڈی دل اور قواعد داں فوج پر غالب کردیا، (فلسفۂ اجتماع ص ۲۰۲)

قرآن حکیم میں جس قدر اثرات و نتائج بیان ہوئے ہیں، اُن سب کا تعلق اسی کیفیت سے ہے، کیونکہ بے جان تصدیق اور جامد عقیدہ سے نہ نفسیات میں کوئی خاص تبدیلی ہوتی ہے، اور نہ زندگی میں حرکت و قوت پیدا ہوتی ہے، بلکہ وہ صرف جذبات کی تسکین کے لیے چند ظاہری مراسم و اعمال تک محدود رہتے ہیں،

ذیل میں چند آیتیں نقل کیجاتی ہیں جن سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے،

ایمانی کیفیت کا لازمی نتیجہ محبت و محبوبیت ہے	وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ	(بقرہ۔ ۲۰)	جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں انکے دلوں میں سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے،

یعنی ماسوا کے تمام "بت" دل سے نکلکر دل صرف اللہ تعالیٰ کا جلوہ گاہ بنجاتا ہے اور اس محبت و تعلق کے مقابلہ میں نہ عزیز سے عزیز تعلقات کی کوئی قیمت نگاہ میں رہتی ہے اور نہ شان و شوکت والی طاقتوں کی کوئی حیثیت۔ جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے:

قل ان کان اٰباءکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ناقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہٖ (توبہ۔ رکوع ۳)

اے پیغمبر، ایمان والوں سے یہ بات کہدیجئے کہ اگر تمھارے باپ اور بیٹے، تمھارے بھائی، تمھاری بیویاں، تمھاری برادری، تمھارا مال جو تم نے کمایا ہے، تمھاری تجارت جسکے مندا پڑجانے کا ڈر ہے اور تمھارے رہنے کے پسندیدہ مکانات (یہ ساری چیزیں) تمھیں اللہ سے، اسکے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے۔

اللہ کا یہ حکم قومی و جماعتی موت اور ذلت و خواری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، نیز محبت و محبوبیت میں کمی بیشی کے لحاظ سے اس حکم کے درجے مختلف ہوتے ہیں،

لاتجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الاٰخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اٰباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ (سورۂ مجادلہ، رکوع ۳)

یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرتا ہوا پائیں گے اگرچہ وہ دشمن انکے آبا، و اجداد و اولاد یا بھائی بند اور کنبہ قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان قائم ہو چکا ہے اور جن کی غیب سے فیض کے ذریعہ تائید ہوئی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایمانی کیفیت کے نتیجہ میں جو محبت و محبوبیت پیدا ہوتی ہے وہ انسان کے ارادہ و تصرف، قول و فعل، دوستی و دشمنی سب پر چھا جاتی ہے، اور یہی اس کی شناخت ہے،

محبت و محبوبیت کے فلسفہ سے زندگی کی گرہیں کھلتی ہیں	عارفین نے محبت و محبوبیت کے فلسفہ کو جس انداز سے پیش کیا ہے اس سے بہت سی نفسیاتی الجھنیں دور ہوتی اور زندگی کی

گرہیں کھلتی ہیں، جیسا کہ شیخ یحییٰ منیریؒ فرماتے ہیں:-

آں کار ملائکہ کہ راست بینی ازاں آست کہ با ایشاں حدیث محبت نرفتہ است وایں زیر و زبرے کہ در راہ آدمیاں می بینی ازاں است کہ با ایشاں حدیث محبت رفت کہ یحبھم ویحبونہ (مکتوب چہل و ششم ۴۶)

فرشتوں کے کام میں جو تم کو یکسانی نظر آتی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ حدیث محبت کے مخاطب نہیں اور انسانوں کے راستہ میں جو نشیب و فراز نظر آتے ہیں وہ اس وجہ سے ہیں کہ انکے ساتھ محبت کا معاملہ ہے۔ (اللہ ان سے محبت کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں)

دوسری جگہ ہے :-

اے برادر شکستہ چیز ہیچ چیز قیمت نہ دارد — اے بھائی ٹوٹی ہوئی چیز کی کوئی قیمت
مگر دل ہر چند شکستہ تر باقیمت تر — نہیں ہوتی، مگر دل جتنا ٹوٹا ہوتا ہے
موسیٰ علیہ السلام در مناجات خود گفت — اتنا ہی زیادہ قیمتی ہوتا ہے، موسیٰ علیہ السلام
الٰہی این اطلبک فرمان شد — نے اپنی ایک مناجات میں عرض کیا کہ الٰہا
انا عند المنکسرۃ قلوبھم — آپ کو کہاں تلاش کروں فرمایا میں
ان لوگوں کے پاس ہوتا ہوں جنکے دل
(مکتوب ششتم) — (میری وجہ سے) ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں،

عارف اقبال کہتے ہیں،

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ — جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

تاریخی واقعات و حادثات کی توجیہہ ہوتی ہے

اس سے انبیاء علیہم السلام کے ابتلاء اور امتحان محبت کے واقعات کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں زن و فرزند کی محبت دور کر دی جائے

شرک کو ناقابل عفو جرم قرار دینے کی وجہ محبت و محبوبیت ہے۔

تشکیل جدید میں سب سے بڑا گناہ اور ناقابل عفو شرک ہے

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالا بعیدا (نساء - ۱۱۶)

بیشک اللہ اس بات کو نہ بخشے گا کہ اسکے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اسکے سوا اور جتنے گناہ ہیں ان میں جس کو چاہے گا بخشدیگا اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی

اس کی وجہ بھی محبت و محبوبیت ہی ہے کیونکہ جس دل کو اللہ نے اپنے لیے خاص کیا ہے "شرک سے اس میں دوسرے کی شرکت ہوتی ہے۔

دنیاوی محبت میں بھی شرکت گوارا نہیں، ایک عاشق دوسرے کی طرف اپنے محبوب کا التفات برداشت نہیں کر سکتا۔

تحت الشعور میں اصل محبت ہے

مغربی تہذیب نے تحت الشعور میں جنسی خواہش کے غلبہ و اقتدار کا جذبہ تسلیم کیا ہے (جیسا کہ فرائڈ اور ایڈلر کا خیال ہے[1]) اس نے بہت سے مسائل پیدا کر دیے ہیں، جن کا حل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً

(۱) زندگی کو پرسکون بنانے کا مسئلہ (۲) مادی حصہ کو غذا پہنچانے کا مسئلہ۔

(۳) روحانی زندگی کو مسلح کرنے کا مسئلہ۔

تشکیل جدید میں نہ صرف تحت الشعور میں محبت کو اصل تسلیم کیا گیا ہے، بلکہ سارے عالم پر اس کو محیط اور قائم و دائم ثابت کیا گیا ہے جس سے مذکورہ قسم کے مسائل بڑی آسانی سے حل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری فرماتے ہیں :-

اول ایں حدیث است ومیانہ ایں — حدیث محبت اول آخر درمیان ہر زمانہ
حدیث است و آخر ایں حدیث است — کو محیط ہو، آج بھی یہی حدیث ہو کل بھی
امروز ایں حدیث است و فردا ایں حدیث — یہی رہے گی، محققین نے کہا ہو کہ یہ عالم
است محققانہ گفتہ اند کہ ایں عالم وآں — اور وہ عالم دونوں طلب کے لیے ہیں، اگر کوئی
عالم ہر دو برائے طلب است اگر کسے گوید — شخص کہے کہ وہ عالم عالم طلب نہیں ہے
کہ آں عالم عالم طلب نیست ایں محال است — تو یہ محال ہے، قیامت کے دن نماز روزہ

[1] جدید نفسیات باب پنجم

کہ نماز و روزہ نیست اما طلب ہست — نہ ہوں گے اور سارے احکام پر قلم نسخ
فردا ہمہ شرائع را قلم در کشند اما این — پھر جائیگا لیکن یہ دونوں چیزیں ہمیشہ
دو چیز ابدالآباد بماند الحب للہ والحمد للہ — رہیں گی (۱) اللہ کی محبت اور (۲) اللہ کی حمد

ایمانی کیفیت سے جان و مال کا سودا ہو جاتا ہے

محبت کے اس فلسفہ کو جدید انداز میں پیش کرنے اور اس پر مستقل تحقیق کی ضرورت ہے، اس کے بعد ہی اس کی پوری شکل واضح ہو سکے گی، کلام مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰاةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (توبہ - ۱۴)

بلاشبہ اللہ نے مومنین سے اس قیمت پر انکی جانیں بھی خرید لی ہیں اور انکا مال بھی کہ انکے لیے اللہ کی رضامندی کی جنت ہے، چنانچہ وہ کسی دنیوی مقصد میں نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، اس جنگ میں وہ مرتے بھی ہیں اور مارتے بھی ہیں، یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا ہے۔ اور تورات، انجیل اور قرآن تینوں کتابوں میں یکساں طور پر اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھکر کون اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے، بس مومنو تمھیں اس سودے پر خوشیاں منانا چاہیے۔

اللہ پر ایمان کے بعد نہ جان اپنی رہتی ہے، نہ مال اپنا رہتا ہے، دونوں اللہ کے حوالے

ہو جاتے ہیں، مومن صرف ان کا امین رہ جاتا ہے، اور صرف اس کے حکم کے مطابق ان میں تصرف کر سکتا ہے،

ہجرت، جہاد اور نصرت لازم قرار پاتے ہیں

ایمان کی اس کیفیت کے لیے ہجرت، جہاد اور اس میں امداد کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (انفال - ۱۰)

جو لوگ ایمان لائے، اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا اور لوگوں کی مدد کی حقیقت میں یہی سچے مومن ہیں۔

دوسری جگہ ہے:۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (حجرات ع ۲)

ایمان والے وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہیں پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں۔

تیسری جگہ ہے:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَأُولٰٓئِكَ

جو لوگ ایمان لائے، اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑا، اور جان و مال سے جہاد کیا، ان کے لیے اللہ کے نزدیک بڑا درجہ ہے، اور یہی لوگ کامیاب

هُمُ الْفَائِزُوْنَ (توبہ رکوع ۳) ہونے والے ہیں۔

ان آیتوں میں بالترتیب "هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا"۔ "هُمُ الصّٰدِقُوْنَ" اور "هُمُ الْفَائِزُوْنَ" سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت، جہاد اور نصرت کے بغیر قرآنی ایمان حاصل ہوتا ہے اور نہ مسلمان دین و دنیا میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

یہ تینوں فطری حقیقتیں ہیں

(۱) ہجرت: ایمان کی خاطر ان تمام چیزوں کو چھوڑ دینے کا نام ہے، جو اس کے تقاضہ و مطالبہ کے خلاف ہوں، حتیٰ کہ اگر گھر بار چھوڑ دینے کی نوبت آجائے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔

(۲) جہاد: ایمان کو غالب کرنے کے لیے ہر قسم کی انتہائی جد و جہد کرنا، اعضاء و جوارح سے اس کے لیے دوڑ دھوپ کرنا۔ زبان و قلم سے اس کی تبلیغ کرنا، عقل و دماغ سے اس کے لیے تدبیریں کرنا، غرض تمام امکانی وسائل اس راہ میں صرف کرڈالنا اور ہر مزاحمت کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرنا، حتیٰ کہ اگر جب جان کی بازی لگانے کا وقت آجائے تو اس سے بھی دریغ نہ کرنا۔

(۳) نصرت: آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور مشکلات و مصائب کے وقت کام آنا، یعنی زندگی کی تشکیل میں باہمی تعاون اور ایثار و قربانی سے کام لینا[۱]،

یہ تینوں ایسی فطری حقیقتیں ہیں کہ دنیا کی تمام قومیں ان ہی کے ذریعہ عروج و بقا کی منزلیں طے کرتی ہیں، فرق یہ ہے کہ دوسری قومیں ان کو ذاتی و قومی اقتدار اور ملک گیری کے لیے استعمال کرتی ہیں، اور تشکیل جدید میں یہ تینوں اللہ کی بات غالب کرنے اور اس کی رحمت کو عام کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں،

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب عروج و زوال کا الٰہی نظام

ہجرت اور نصرت کو سمجھنے میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے، البتہ جہاد کو متعصب مورخوں نے وحشت و بربریت کا مظاہرہ قرار دیا ہے، ان کے جواب کے لیے فرانسیسی مصنف موسیو سدیو کا یہ قول کافی ہے کہ

ان لوگوں نے حق سے کان بند کرلیا ہے اور قلب کی بینائی سے محروم ہوگئے ہیں[۱]

قوموں کی باہمی لڑائیاں ہمیشہ اخلاقی پابندیوں سے آزاد رہی ہیں، اور مغربی تہذیب میں تو اس آزادی کا اس قدر مشاہدہ ہوا ہے کہ پچھلی تاریخ میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے،

قرآن حکیم نے سب سے پہلے قوانین جنگ مرتب کیے

تشکیل جدید میں قرآن مجید پہلی کتاب ہے جس نے جنگ کے قوانین بتائے[۲]، اور اس کو اخلاق کا پابند بنا دیا، اور دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ جنگ کا مقصد فتنہ و فساد کا استیصال اور خدا کے پیام رحمت کی تبلیغ ہے، ذاتی و قومی اقتدار اور ملک گیری نہیں، جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے،

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرۃ ع ۲۴) — جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ و فساد نہ رہے، اور اللہ کا راج قائم ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لتكون كلمة الله هي العليا (الحدیث) — (جہاد کرو) تاکہ اللہ کی بات غالب ہو کر رہے۔

اس پر تفصیلی بحث کا یہ موقع نہیں ہے، اس بارہ میں فضلائے یورپ کے چند بیانات نقل کیے جاتے ہیں:-

[۱] تاریخ عرب ص ۲۰۱، [۲] The laws of war between belligerents by Percy Board. well Callagh & Co: Chicago

حضرت عمرؓ کے آخری یا حضرت عثمانؓ کے ابتدائی زمانہ میں ایک نسطوری پادری نے مجاہدین کے بارے میں یہ تاثرات ظاہر کئے ہیں:-

"یہ طائی (عرب) جنھیں خدا نے آجکل حکومت عطا فرمائی ہے، وہ ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں، لیکن وہ عیسائی مذہب سے مطلق برسرپیکار نہیں ہیں، بلکہ اسکے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں، ہمارے پادریوں اور مقدس لوگوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں[۱]"

پروفیسر واکر قانون بین الممالک کی تاریخ میں لکھتے ہیں:

متمدن اور مہذب سلطنتوں پر وحشیوں کا دھاوا بولنا اور غالب آکر سلطنت وحکومت کا مالک بنجانا تاریخ کا ایک عادتی واقعہ ہے، لیکن جرمنوں، تاتاریوں وغیرہ وحشیوں کے برخلاف عجیب بات یہ ہے کہ عرب کے بدو جب اپنے صحرائی براعظم سے باہر کی دنیا میں امنڈنے لگے تو ان عربی فاتحین کو عام تصور کے وحشی فاتحین میں کسی طرح نہیں شامل کیا جاسکتا، کیونکہ ان وحشی بدوؤں میں پہلے ہی دن سے ان کے مفتوحوں سے بھی بڑھکر تہذیب اور اخلاق حسنہ نظر آتے ہیں[۲]

کلیسائی تاریخ وجغرافیہ کے قاموس میں ایک رومن کیتھولک پادری نے لکھا ہے:

مسلمان عربوں کو یعقوبی (جاکوبائٹ) عیسائیوں نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا، مسلمانوں کی سب سے اہم جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا یہ ہے کہ انھوں نے ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خودمختار

[۱] عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۲۸۰ بحوالہ پادری اسمعانی اور ذخوج کی کتاب [۲] ہسٹری آف دی لا آف نیشن از عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۵۱

وحدت قرار دیا اور اس مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیاوی اور عدالتی اقتدارات عطا کئے[۱]

تنظیم کا بنیادی عنصر ایمانی کیفیت ہے

مذہبی اور تہذیبی اقلیتوں کے لیے خود مختار وحدت کا تصور سب سے پہلے تشکیل جدید میں پایا جاتا ہے، جس پر تفصیلی بحث آگے آئیگی۔

تشکیل جدید میں تنظیم کا بنیادی عنصر ایمانی کیفیت ہے، کلام مجید کا ارشاد ہے

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء - ع ۹)

آپکے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہوسکتے ہیں جب تک اپنے تمام جھگڑوں اور قضیوں میں آپکو حاکم نہ بنائیں، یہانتک کہ ان کے دل کی ایسی حالت ہوجائے کہ جو کچھ آپ فیصلہ کردیں اس کے خلاف کسی طرح کی کھٹک نہ محسوس کریں اور جس طرح کسی بات کا ٹھیک تسلیم کرنا ہوتا ہے اسی طرح تسلیم نہ کرلیں۔

دوسری آیت میں ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

جب کسی معاملہ میں اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کردے تو پھر کسی مومن اور مومنہ کو ماننے اور نہ ماننے کا اختیار

[۱] ہسٹری آف دی لا آف نیشن از عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۵۱

مِنْ اَمْرِهِمْ (احزاب - ع ۵) نہیں باقی رہتا۔

مومنوں کے لیے تاکیدی حکم ہے :-

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران ۱۱)

اے مومنو سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔

دوسری جگہ ہے :

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (انفال - ع ۶)

اے مومنو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس قسم کی آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تنظیم کے تینوں بنیادی عناصر اطاعت مرکز اور اتحاد کو ایمانی کیفیت ہی پیدا کرتی ہے۔ جن کے بغیر تہذیب کی تشکیل کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

ماہرین نفسیات نے اعلیٰ قسم کی تنظیم کے لیے درج ذیل باتیں ضروری قرار دی ہیں:

(۱) قوم کے افراد آپس میں اور اپنے قائد کے ساتھ دل و جان سے عاشق ہوں۔

(۲) اجتماعی مقصد کو اپنا عین مقصد سمجھتے ہوں،

(۳) ایک دوسرے کی مراعات اور پاسداری کو فرض عین جانتے ہوں۔

جس تنظیم میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں گی (ان کے نزدیک) وہ اخلاقی اہمیت کو ترقی دیئے اور غلبہ حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتی، (معاشرتی نفسیات ص ۲۲۰)

تشکیل جدید میں ایمانی کیفیت بڑی خوبی کے ساتھ تینوں عناصر کو پیدا کرتی ہے جس کا نمونہ صحابہ کرام کی زندگی تھی، اس کو دیکھ کر ماہرین نے اعلیٰ تنظیم کے لیے مذکورہ باتیں ضروری قرار دی ہیں،

ایمانی کیفیت کے ساتھ عمل صالح بھی ضروری ہے

قرآن حکیم نے ایمان کے ساتھ بار بار عمل صالح کی بھی تاکید کی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمانی کیفیت کے ساتھ عمل صالح بھی ضروری ہے، خلافت و حکومت اور دنیاوی سربلندی سب اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران)

تم ہمت نہ ہارو، غمگین نہ ہو اگر مومن ہو گے تو تم ہی غالب رہو گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور - ۷)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انھیں زمین میں اپنا خلیفہ (حاکم) بنائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو (اسی بنا پر) خلیفہ بنا چکا ہے اور جس دین کو اللہ نے ان کے لیے پسند کیا ہے اسے مضبوطی کیساتھ جما دیگا اور خوف کے بدلہ انھیں امن عطا فرمائے گا

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل صالح کے بغیر نہ تہذیب کی تشکیل ہو سکتی ہے اور نہ اس کے قیام و بقا کی ضمانت حاصل ہوتی ہے،

عمل صالح کی تحقیق و تفصیل

عمل صالح کی تحقیق و تفصیل یہ ہے :-

قاموس، صراح، المنجد، لسان العرب وغیرہ لغات میں ہے :

صلح ضد افسد الصالح ضدا	صلح (ماضی) فسد کی ضد ہے اور صالح
الفاسد القائم بما علیہ من	(اسم فاعل) فاسد کی ضد ہے، جو حقوق
الحقوق والواجبات ویقال	وفرائض کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کرے
ھو صالح لکذا ای فیہ اھلیة	وہ صالح ہے، چنانچہ صالح لکذا اس موقت
للقیام بہ والصلاحیة	کہتے ہیں جب کسی شخص میں کسی کام کے قائم
حالة یکون بھا الشئ صالحا	(انتظام) کرنے کی اہلیت ہو، صلاحیت اس حالت کا نام ہے جس کے پیدا ہونے کے بعد شئی صالح بنتی ہے۔

کلام عرب کے چند محاورے یہ ہیں:-

(۱) صلحت حال فلان ای زال عنہ الفساد	فلاں کی حالت صالح ہوگئی یعنی اس سے فساد (کے جراثیم) زائل ہوگئے۔
(۲) ھذا یصلح لک صلاحا ای یوافقک	یہ تیرے لیے صالح ہے، یعنی تیری موافقت کرتا ہے۔
(۳) اصلح غیث ما افسد البرد	جسکو اولے نے خراب کردیا تھا اسے بارش نے ٹھیک کر دیا

(یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص دوسرے کی بگاڑی ہوئی چیز کو درست کرتا ہے)

(۴) ما لا یصلح ترکہ اصلح	جو چیز درست اور موافق نہ ہو اس کا ترک کر دینا زیادہ درست اور موافق ہے
(۵) اصلح نفسک یصلح لک الناس	اپنی اصلاح کرلو لوگ تمہارے موافق ہو جائیں گے
(۶) لحظ صالح من الادب ای کثیر وافر	اس کو ادب سے بہت کافی حصہ ملا ہے

(۷) اتتنی صالحة من فلان ای نعمة وافرة او حسنة عظیمة	فلاں شخص کی طرف سے ایک بڑی نعمت یا بڑی نیکی حاصل ہوئی۔

۶، اور ۷، کے علاوہ ان میں صالح اور صالحہ کا لفظ بطور کنایہ استعمال ہوا ہے اوپر کے تمام محاوروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کلام عرب میں صالح کا لفظ جس موقع پر جس کام کے سلسلہ میں بولا جاتا ہے وہاں اس کی مناسبت سے صلاحیت اور موافقت مراد ہوتی ہے،

قرآن وسنت اور مفسرین کے اقوال سے بھی موقع کی مناسبت سے صالح کے مفہوم میں عمومیت اور وسعت کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے

لئن آتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین فلما آتھما صالحا جعلا لہ شرکاء فیما آتھما	اے اللہ اگر آپ ہمیں ایک تندرست بچہ عطا فرمائیں تو ہم دونوں آپ کے شکر گذار ہوں گے، پھر جب اللہ نے انھیں ایک تندرست بچہ دیدیا تو وہ اس میں دوسری ہستیوں کو شریک کرنے لگے۔

(اعراف - ۲۳)

بچہ پیدا ہونے سے پہلے والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ میرا بچہ صحیح وسالم اور تندرست وخوبصورت ہو۔ اس کے اعضا وجوارح اور صورت وشکل وغیرہ سب درست ہوں، اس مفہوم کو قرآن حکیم نے "صالح" کے جامع لفظ سے ادا کیا ہے، اور مفسرین نے اسی مناسبت سے اس کی تفسیر "سوی" "قد صلح بدنہ" "ولدا ذکرا" وغیرہ الفاظ کی ہے[1]، جس میں والدین کی خواہش اور بچہ کی مناسبت سے صلاحیت کا مفہوم ملحوظ ہے۔

[1] جلالین وغیرہ

دوسری جگہ ہے:

ولا تفسدوا فی الارض	زمین کی اصلاح کے بعد اس میں
بعد اصلاحہا (اعراف-۷)	فساد نہ پھیلاؤ۔

اس آیت میں دعوت حق کے ظہور کو اصلاح سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے ذریعہ قلوب میں صلاحیت کی تخم ریزی ہوتی اور اعمال وافعال کی شکل میں برگ وبار نمودار ہوتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر تھکے ماندے اور بھوکے پیاسے اونٹ کو دیکھ کر فرمایا

اتقوا اللہ فی ہذہ البہائم	ان بے زبان جانوروں کے بارے میں
المعجمۃ فارکبوھا صالحۃ	اللہ سے ڈرو، قوی اور تندرست ہونے
واترکوھا صالحۃ	کی حالت میں ان پر سواری کیا کرو اور
(مشکوٰۃ)	اسی حالت میں انھیں چھوڑ دیا کرو۔

یعنی یہ نہ ہو کہ جب وہ تھک تھکا کر سواری اور باربرداری کے قابل نہ رہ جائیں اُس وقت انھیں چھوڑو۔

اس حدیث میں موقع کی مناسبت سے دونوں جگہ "صالحۃ" سے جسمانی صحت وقوت مراد ہے۔

دوسری جگہ ہے:

ان فی الجسد مضغۃ اذا	انسان کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا
صلحت صلح الجسد کلہ واذا	ہے جب وہ درست ہوجاتا ہے تو پورا بدن
فسدت فسد الجسد کلہ الا	درست رہتا ہے اور جب وہ خراب ہوجاتا
وھی القلب (مشکوٰۃ)	ہے تو پورا بدن خراب ہوجاتا ہے، وہ لوتھڑا

سنو وہ قلب ہے

اس حدیث میں دل کی خوبی وخرابی کو صلاح وفساد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لفظ "صالح" کے بارے میں مفسرین کی رائیں درج ذیل ہیں:

مدارک میں ہے

والصالحات کل ما استقام	صالحات سے تمام وہ اعمال مراد ہیں
من الاعمال بدلیل العقل	جو کتاب وسنت یا عقل سے درست
والکتاب والسنۃ (مدارک ص ۱۳)	اور صحیح ثابت ہوں۔

قاضی بیضاوی کہتے ہیں:

وھی من الاعمال ما سوغہ	صالحات سے مراد تمام وہ اعمال ہیں جنکو
الشرع وحسنہ (بیضاوی ص ۴۶)	شریعت نے جائز رکھا ہو اور جنکی تحسین کی ہو۔

دوسری جگہ ہے:

والفساد خروج الشئ عن الاعتدال	فساد کسی شی کا حد اعتدال سے نکل جانا
والصلاح ضدہ وکلاھما	اور صلاح اسکی ضد ہے، یہ دونوں بالترتیب
یعمان کل ضار ونافع (بیضاوی ص ۲۹)	ہر نقصان دہ اور نفع بخش چیز دونوں کو عام ہیں،

شیخ محمد عبدہ مصری کہتے ہیں:

وھی الاعمال التی عددت	وہ اعمال جنکو تفصیل سے قرآن میں
بالتفصیل فی القرآن وجماعہا	شمار کرایا گیا ہے یعنی وہ سارے کام جو اپنی
ان تکون نافعا لنفسک و	ذات کے لیے، گھر والوں کے لیے، قوم کے لیے
لاھلک ولقومک والناس اجمعین	اور تمام لوگوں کے لیے نافع ہوں،

ان تصریحات سے ظاہر ہوا کہ ایمانی کیفیت کے ظہور اور تہذیب کی تشکیل کے لیے جس قسم کا عمل صالح

درکار ہے، اس سے چند ظاہری رسوم واعمال اور رواجی نیکیاں مراد نہیں ہیں بلکہ اس کا مفہوم موقع کی مناسبت سے اخلاق وروادیت کے ہر شعبہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، البتہ پہلے کو تقدم حاصل ہے، کیونکہ اس کے بغیر نہ صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے اور نہ انسانی تصرفات مفید عام بنتے ہیں،

ایمانی کیفیت کے مجموعی اثرات

غرض ایمانی کیفیت سے ایمان وعمل صالح کا جو مجموعہ وجود میں آتا ہے اس کے ذریعہ انسان وہ سب کچھ حاصل کرلیتا ہے جس کی ایک صالح اور ترقی پذیر معاشرہ کو ضرورت ہوتی ہے، ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سے ہر میدان میں سمجھ بوجھ کر قدم اٹھانے اور فکر وعمل کے ہر گوشہ میں حزم واحتیاط سے کام لینے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے، جس کو قرآن حکیم نے "تقوی" کے جامع لفظ سے تعبیر کیا ہے،

"تقویٰ" ایک نہایت لطیف نورانی کیفیت کا نام ہے، جس کا تعلق قلب سے ہے، اس سے انسان خیر وشر میں تمیز کرنے لگتا اور قدم کی لغزش کی صورت میں فوراً خلش محسوس کرتا ہے، اسکی وضاحت اس مثال سے ہوگی، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے پوچھا

ما التقویٰ (تقویٰ کیا ہے؟)

انھوں نے کہا: اما سلکت طریقاً ذا شوک (تم کبھی ایسے راستے میں نہیں چلے جس میں کانٹے ہوں)

حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں!

ابی بن کعبؓ نے پوچھا: فما عملت (اس حالت میں تم نے کیا کیا)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: شمرت واجتہدت (میں نے دامن سمیٹ کر کانٹوں سے بچنے کی کوشش کی)

حضرت ابیؓ نے فرمایا: فذالک التقویٰ (تقویٰ اسی کا نام ہے)

یعنی خطرات ووساوس سے بچنے کا نام ہے،

ابن الفارض اور انکا کلام

از جناب ڈاکٹر حافظ غلام مصطفےٰ صاحب شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۶)

صوفیانہ خیالات کی نوعیت

صوفیانہ زندگی اور اس کے احوال ومقامات کا ذکر تصوف کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ملتا ہے، لیکن ان کے بیان میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ تمام صوفیہ پر ایک ہی قسم کے احوال طاری نہیں ہوتے، بلکہ مختلف صوفیہ کو مختلف قسم کے احوال پیش آتے ہیں، اس کے علاوہ ایک حال کا ورود بھی مختلف صوفیہ کے قلوب پر مختلف ہوتا ہے، اور ان کے احوال وکیفیات کے درجات ومراتب بھی مختلف ہوتے ہیں، اس لیے ان کے بیان کا اسلوب بھی یکساں نہیں ہوتا، اور انکے الفاظ میں اختلاف ناگزیر ہے، اس طرح ان امور کا سمجھنا بہت مشکل ہوجاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے مطابق ان کی الگ الگ تشریح کرتا ہے، اس سلسلہ میں خود شیخ ابن الفارض ہی کے یہ اشعار قابل ملاحظہ ہیں:-

تخالفت الاقوال فینا تباینا — برجم ظنون بیننا مالھا اصل

فشنّع قوم بالوصال ولم تصل — وأرجف بالسلوان قوم ولم أسل

فما صدق التشنیع عنھا لشقوتی — وقد کذبت عنی الاراجیف والنقل [۱]

(ہمارے متعلق لوگوں کے عجیب عجیب اور متضاد خیالات ہیں جو محض ظن وگمان ہے

[۱] دیوان ص ۷۸ - ۷۹

مبنی ہیں، جن کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ کچھ لوگ وصال کی تہمت لگاتے ہیں، حالانکہ اس کا وصل مجھے حاصل نہیں ہوا، اور کچھ ترک الفت کا الزام لگاتے ہیں، حالانکہ میں نے یہ بھی نہیں کیا۔ وصال کا اتہام تو میری بدنصیبی کی وجہ سے صحیح نہیں ہے، اور ترک محبت وغیرہ کی جو باتیں کی جاتی ہیں وہ سرتاسر غلط اور بے سروپا ہیں)

حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے احوال و کیفیات سمجھنے اور سمجھانے کی چیز نہیں ہیں، کیونکہ ان کو عقل و قیاس اور استدلال سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ محض ذوقی اور وجدانی ہیں، صوفیہ پر جو کیفیات گذرتی اور جو واردات طاری ہوتی ہیں، اور ان کیفیات میں جو کچھ وہ مشاہدہ کرتے ہیں وہ خود ان کے اظہار پر پوری قدرت نہیں رکھتے تو دوسرے کس طرح ان کو پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں، جیسا کہ خود شیخ ابن الفارض نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ اپنے قلبی احوال کا بیان پوری طرح زبان سے نہیں کر سکتے، فرماتے ہیں:۔

وماذا عسی یلقی جنان وما به یفوه لسان بین وحی وصیغة[۱]

(دل سے وحی والہام کے ذریعہ اور زبان سے الفاظ کے ذریعہ جو کچھ اظہار ہو سکتا ہو وہ بہت ہی کم ہے)

ایک دوسرے موقع پر اظہار شوق کے ضمن میں فرماتے ہیں:

وعنوان شأني ما ابثّك بعضه وما تحته اظهاره فوق قدرتی

وامساك عجزا عن امور کثیرة بنطقی لن تحصی ولو قلت قلّت[۲]

(جو کچھ میں تم سے بیان کر رہا ہوں وہ میرے حال کا صرف ایک جزء ہے، اور جو کچھ اسکے

۱؎ قصیدہ نظم السلوک، شعر نمبر ۴۸۹ ۲؎ ایضاً، شعر نمبر ۳۴-۳۵۔

نیچے ہے اس کا اظہار میری طاقت سے باہر ہے، بہت سے امور ایسے ہیں جو الفاظ میں ادا نہیں کیے جا سکتے، اس لیے میں ان کے بیان سے عاجز ہوں، اور اگر ان کو کسی طرح بیان بھی کروں تو وہ بہت ہی قلیل ہوں گے)

شیخ کے صوفیانہ خیالات - شیخ ابن الفارض کے صوفیانہ خیالات کو سمجھنا اور ان کے الفاظ سے کوئی قطعی مفہوم نکالنا تو اور بھی مشکل ہے، کیونکہ یہ بیان نثر کے بجائے شعر میں ہے اور شعر بھی ایسا کہ اس میں اس زمانہ کے پُر تکلف اسلوب کی پوری رعایت ہے، چنانچہ ان کا کلام صنائع و بدائع سے مملو ہے، شارحین نے جو کچھ لکھا ہے اس میں خود ان کے ذوق و رجحان کا اثر زیادہ پایا جاتا ہے، اور بعضوں نے تو اس طرح کھینچ تان کر مطلب نکالا ہے کہ ذوقِ سلیم کے نزدیک حقیقت سے اس کو دور کا واسطہ بھی نہیں معلوم ہوتا، اس سلسلہ میں یہ روایت قابل ذکر ہے کہ ایک بار حافظ ابن حجر نے شیخ کے قصیدہ تائیہ کے بعض اشعار کی شرح لکھکر شیخ مدین کی خدمت میں پیش کی کہ وہ اس پر اپنی اجازت درج فرما دیں، شیخ مدین نے اسے پڑھا اور یہ شعر لکھکر حافظ صاحب کو بھیجدیا،

سارت مشرّقة وسرت مغرّبا شتّان بین مشرّق ومغرّب

(اس کا رخ مشرق کی سمت ہے اور تیرا رخ مغرب کی طرف، مشرق کو سفر کرنے والے اور مغرب کو جانے والے کے درمیان بہت زیادہ بُعد ہے)

بعد میں جب شیخ مدین سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ مولانا نے اپنی شرح میں ضمیر و مرجع، مبتدا و خبر، تجنیس و استعارہ اور لغت و بدیع کی طرف توجہ مبذول کی ہے، اور شاعر کی مراد ان سب سے ماوراء ہے۔[۱]

۱؎ دیکھئے: الیواقیت والجواہر الشعرانی، ج: ۱، ص: ۱۵ اور شذرات الذہب، ج: ۵، ص ۱۵۱

غرض صوفیانہ کیفیات کو اس وقت تک سمجھا نہیں جا سکتا جب تک کہ خود ان کا لذت آشنا نہ ہو، یہی حال ہر داخلی کیفیت کا ہوتا ہے کہ جو لوگ اس سے متکیف نہیں ہوتے وہ اسے پوری طرح سمجھ نہیں سکتے، اور جن پر یہ کیفیتیں طاری ہوتی ہیں وہ اس کو پوری طرح بیان نہیں کر سکتے، ایسی صورت میں کسی صوفی کے خیالات کی تشریح کیلئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ اسی کے الفاظ میں ان کو پیش کر دیا جائے، اس لیے شیخ ابن الفارض کے صوفیانہ خیالات کو بھی اسی طریقہ سے پیش کریں گے۔

شیخ کے صوفیانہ افکار کا عکس یوں تو ان کے تمام قصائد میں جا بجا منتشر طور پر ملتا ہے، لیکن ان کا مشہور و معروف قصیدہ التائیۃ الکبریٰ جو نظم السلوک کے نام سے موسوم ہے، شروع سے آخر تک صوفیانہ اسرار و معارف پر مشتمل ہے، اس کا مختصر تعارف اس سے قبل کرایا جا چکا ہے، ۷۶۰ اشعار کا یہ طویل قصیدہ شیخ کا ایک اہم کارنامہ اور عربی صوفیانہ شاعری کا بہترین نمونہ ہے، ان کے صوفیانہ خیالات کو جاننے کے لیے اسکے بعد کسی اور قصیدہ کے مطالعہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

نظم السلوک اس قصیدہ میں شیخ نے پہلے اپنی صوفیانہ زندگی کے ابتدائی تجربات کو بیان کیا ہے، جب وہ ریاضت و مجاہدہ کی کٹھن منزلیں طے کر رہے تھے، عشق الٰہی کا بے پایاں جذبہ ان کو مختلف وادیوں اور گھاٹیوں میں سرگشتہ و سرگرداں لیے لیے پھرتا تھا، ابھی ان کو شرح صدر حاصل نہیں ہوا تھا، اور شاہد حقیقی کے جمال کی کوئی جھلک انھوں نے نہیں دیکھی تھی، شیخ نے اس موقع پر اپنی مصیبتوں اور سختیوں کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ اور بڑے دلگداز لہجہ میں کیا ہے، مگر اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ مصائب و شدائد کا اظہار شکایت کے طور پر نہیں ہے، کیونکہ

مصیبتوں کا جھیلنا تو محبت کا لازمی جزء ہے، بلکہ اس امید میں اپنے رنج و غم کو بیان کرتے ہیں کہ شاید اُن کا محبوب ان کے حال زار پر ترس کھا کر ان پر لطف و کرم فرمائے، شیخ محبوب حقیقی کے لیے مؤنث کے صیغے لائے ہیں اور اس کی یاد میں اپنی خستہ حالی، محویت اور بیخودی کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتے ہیں، پھر اپنے عشق کے خلوص اور جذبہ کی صداقت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان پر کتنی ہی مصیبتیں آئیں، وہ محبت کے راستہ پر آخر تک ثابت قدم رہیں گے، محبوب کے لیے انھوں نے سب کو چھوڑ دیا ہے اور اب ان کو کسی کی پروا نہیں ہے، ان امور کا بیان ابتدائی ۸۳ اشعار میں پھیلا ہوا ہے، چند متفرق اشعار ملاحظہ ہوں:-

ولو انّ مابی بالجبال کان طو ..... ر سینا بھا قبل التجلی لدکّت (شعر ۱۱)

(جو بار غم مجھ پر ہے اگر وہ پہاڑوں پر ہوتا اور ان کے درمیان طور سینا بھی ہوتا
تو بھی وہ سب کے سب تجلی سے قبل ہی ریزہ ریزہ ہو جاتے)

ولولا زفیری اغرقتنی ادمعی ولولا دموعی احرقتنی زفرتی (۱۲)

(اگر میری آہیں نہ ہوتیں تو میرے آنسو مجھے غرق کر دیتے اور اگر میرے آنسو نہ ہوتے
تو میری آہیں مجھے جلا کر خاکستر کر دیتیں)

وما حل بی من محنۃ فھو منحۃ وقد سلمت من حل عقد عزیمتی (۴۶)

(جو غم مجھ پر نازل ہوا ہے وہ میرے نزدیک ایک عطیہ ہے، میرے عہد محبت کی
گرہ اتنی مضبوط ہے کہ وہ کسی طرح کھل نہیں سکتی)

وعن مذھبی فی الحب مالی مذھب وان ملت یوما عنہ فارقت ملّتی (۶۴)

(محبت میں جو راستہ میں نے اختیار کیا ہے اسکے سوا میرے لیے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے، اگر کسی دن
میں اس راستہ سے ذرا سا بھی ہٹ جاؤں تو گویا میں نے اپنا مذہب ترک کر دیا)

لأنت منى قلبى وغاية بغيتى ... واقصى مرادى واختيارى وخيرتى (۹۶)

(یقیناً تو ہی میرے دل کی تمنا، میری طلب کی غایت، میرے مراد کی انتہا، میرا انتخاب اور میری پسند ہے)

محبوب کی طرف سے اس کا یہ جواب ملتا ہے کہ عاشق کا دعوی غلط اور جھوٹ ہے، اس کو درحقیقت محبوب سے نہیں بلکہ خود اپنے نفس سے محبت ہے۔ اگر واقعی اس سے محبت ہے تو اس کے راستہ میں اپنے نفس کو فنا کردے، اس مقام کے چند اشعار شیخ ہی کے الفاظ میں سننے کے لائق ہیں:

فقالت هوى غيرى قصدت ودونه .... اقتصدت عميا عن سواء محجتى (۹۷)

(اس نے کہا کہ تو نے میرے علاوہ کسی اور کی محبت کا قصد کیا ہے اور اپنی نادانی اور اندھے پن کی وجہ سے میرے سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ہے)

وأين السهى من اكمه عن مراده ... سها عمها لكن امانيك غرت (۹۸)

(سہی ستارہ کو وہ اندھا کیسے دیکھ سکتا ہے جو اپنی گمراہی کی وجہ سے اپنے مقصد کو بھول گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ تیری خواہشات نے تجھے دھوکہ میں ڈال دیا ہے)

حليف غرام انت لكن بنفسه ... وابقاك وصفا منك بعض ادلتى (۹۹)

(بیشک تجھے محبت ہے لیکن خود اپنے نفس سے، اس بارہ میں میری ایک دلیل یہ ہے کہ تو اپنے انفرادی وصف کو ابتک باقی رکھے ہوئے ہے)

فدع عنك دعوى الحب وادع لغيره ... فؤادك وادفع عنك غيك بالتى (۱۰۰)

پس تو محبت کا دعوی چھوڑ دے، اپنے دل کو کسی اور کام میں لگا، اور اپنی گمراہی کو اچھے اعمال کے ذریعہ سے دور کر۔

وجانب جناب الوصل هيهات لم يكن ... وها انت حى ان تكن صادقا مت (۱۰۱)

(بارگاہ وصل کی طرف سے منہ پھیرلے، وہ بہت دور ہے، وہاں تک پہنچنا ممکن نہیں ہے اور تو ابتک زندہ ہے، اگر اپنے دعوی میں سچا ہے تو تجھے مرجانا چاہیے)

اس کے بعد شاعر کہتا ہے کہ موت ہی تو اس کا مقصود ہے، اور اسی کا وہ طالب ہے، لیکن اس کی جان بھی تو محبوب ہی کے قبضہ میں ہے، اس لیے وہ اسی سے التجا کرتا ہے، کہ اس کو قتل کرکے اس کی تمنا پوری کردے اور اس میں ذرا بھی تاخیر نہ کرے، خواہ اسے اس میں کتنی ہی تکلیف ہو، کیونکہ وہ محبوب کی خاطر اس کی جدائی کے سوا سب کچھ برداشت کرنے کو تیار ہے، اس التجا پر عاشق کی تمنا پوری کردی جاتی ہے، اس طرح وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا ہے، اب اسے فنا کا بلند مقام حاصل ہوگیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی محبت خود اسی سے پوشیدہ ہوگئی، اسکی صلاحیتیں ایک دوسرے پر رشک کرنے لگیں اور اس کی شخصیت اس قدر محو اور مفقود ہوگئی کہ عبادت میں اسے محسوس ہونے لگا کہ وہ خود ہی اپنا معبود ہے،

اس ذیل میں شیخ فرماتے ہیں کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو درحقیقت میں اپنے امام کا خود امام ہوتا ہوں، اور ساری خلقت میرے پیچھے ہوتی ہے، میری نگاہ شاہد حقیقی کو میرے سامنے دیکھتی ہے، اور میرا قلب مجھے تمام اماموں کے آگے دیکھتا ہے، اور تمام سمتیں مع اپنی جملہ عبادتوں کے میری طرف متوجہ ہوتی ہیں، میں اگرچہ اپنے معبود و محبوب کے لیے نماز پڑھتا ہوں لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود میرے لیے نماز پڑھ رہا ہے، اس کے بعد کے دو شعر خود شیخ ہی کے الفاظ میں سن لیجئے:

کلانا مصل واحد ساجد الی حقیقته بالجمع فی کل سجدة (۱۵۳)

وما کان لی صلی سوای ولم تکن صلاتی لغیری فی أدا کل رکعة (۱۵۴)

(ہم دونوں واحد مصلی ہیں اور ہم میں سے ہر ایک اتحاد کی بنا پر ہر سجدہ میں اپنی ہی حقیقت کو سجدہ کرتا ہے۔ کسی رکعت کی ادائگی میں میرے سوا کسی نے میری عبادت نہیں کی اور نہ میں نے اپنے سوا کسی کی عبادت کی)

اس کے بعد شیخ نے اس قصیدہ میں عجیب عجیب معانی و مطالب بیان کیے ہیں، کبھی محبت کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں، کبھی وصال و اتحاد کے اسرار کو بے نقاب کرتے ہیں، کبھی سالک کو نصیحتیں کرنے لگتے ہیں، اور کبھی محبوب حقیقی کی حمد و ثنا میں مشغول ہو جاتے ہیں، ان بیانات کے ضمن میں مختلف قسم کے صوفیانہ مسائل آگئے ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں، اور بعض سے سرسری طور پر گذر جاتے ہیں، اس مقالہ میں تمام مسائل کا احاطہ ممکن نہیں ہے، صرف چند اہم مسائل کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔

عہد ازل اکثر صوفیہ نے اپنے کلام میں عہد ازل کا ذکر بڑے ذوق و شوق سے کیا ہے، اور اس سے طرح طرح کے لطیف معانی پیدا کیے ہیں، شیخ ابن الفارض بھی اسی بادہ سے سرشار ہیں، چنانچہ ان کے یہاں بھی اس کا ذکر کہیں صراحۃً اور کہیں اشارۃً اکثر ملتا ہے، یہ مضمون درحقیقت قرآن حکیم کی اس آیت سے ماخوذ ہے:-

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
(اور جب تیرے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۔

اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں، سب نے جواب دیا "کیوں نہیں، ہم سب اس کا اقرار کرتے ہیں"، تاکہ تم لوگ قیامت کے دن یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے)

(الاعراف، آیۃ: ۱۷۲)

اس لیے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے تخلیق آدم سے بہت پہلے تمام اولاد آدم کی ارواح کو حاضر کر کے ان سے اپنی الوہیت و ربوبیت کا عہد لیا تھا، حضرات صوفیہ اسی عہد کا ذکر کرتے اور فرماتے ہیں کہ وہ اسی وقت دیدار الٰہی سے مشرف اور بادۂ معرفت سے مخمور ہوئے تھے، لیکن جب وہ عالم خلق میں آئے تو اس کی ظلمتوں اور کثافتوں نے اس شراب کی مستی کو زائل کر دیا، اس لیے وہ اس کی آلائشوں سے اپنی ذات کو پاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ پھر وہی خمار ازلی انکو نصیب ہو جائے۔

شیخ نے متعدد مقامات پر اس کی طرف مختلف انداز میں اشارہ کیا ہے، قصیدۂ خمریہ کی تو ابتدا ہی اسی شراب سے کی ہے، اور پورے قصیدہ میں اسی کے اوصاف کو رمزیہ اسلوب میں پیش کیا ہے، قصیدہ نظم السلوک میں بھی جابجا اس کا ذکر ہے، چنانچہ عشق الٰہی میں اپنی وفاداری اور ثابت قدمی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ومحکم عهد لم یخامرہ بیننا تخیّل نسخ وهو خیر ألیّة (۶۴)

(قسم ہے اس عہد محکم کی جس کے نسخ و بطلان کا تصور بھی ہمارے درمیان کبھی نہیں آیا اور وہ بہترین قسم ہے)

واخذك ميثاق الولاحيث لم أبن بمظهر لبس النفس في فيء طينتي (۹۱م)

(اور قسم ہے اُس عہد محبت کی جو تونے اس وقت لیا تھا جبکہ میں ابھی اس لباس میں ظاہر نہیں ہوا تھا جس میں میری رُوح میری خاک خمیر کے سایہ میں ملبوس ہوئی)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :۔

مُنحتُ ولاها يوم لا يوم قبل أن بدت عند اخذ العهد في اوليتي (۱۵۶م)

(مجھے اس کی محبت اسی دن عطا کردی گئی تھی جب کہ کوئی دن نہیں تھا قبل اسکے کہ میری ابتدائی حالت میں عہد لینے کے لیے اس کا ظہور ہوا)

فنلت ولاها لا بسمع وناظر ولا باكتساب اجتلاب جبلة (۱۵۷م)

(پس مجھے اس کی محبت نہ سماعت سے حاصل ہوئی، نہ بصارت سے، نہ اکتساب سے اور نہ فطرت کی کشش سے)

وهمت بها في عالم الامر حيث لا ظهور وكانت نشوتي قبل نشاتي (۱۵۸م)

(میں عالم امری میں اس پر فریفتہ ہو گیا تھا، جہاں کوئی وجود نہ تھا، اور میرا نشہ میری تخلیق سے پہلے کا ہے)

ایک اور موقع پر اتحاد باللہ کی بڑی نازک اور لطیف کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

وليس الست الامس غيراً لمن غدا وجنحي غدا صبحي ويومي ليلتي (۹۹م)

(کل کے عہد الست کا منظر اس کے لیے غیر نہیں ہے جس نے صبح کرلی اور میری شام میری صبح اور میرا دن میری رات ہے، یعنی میرے لیے زمان و مکان کے حدود سب ختم ہو گئے اور کل کا منظر آج بھی میرے سامنے اسی طرح ہے)

وسرّ بلى لله مرآة كشفها فاثبات معنى الجمع نفي المعية (۹۶م)

(اور "قالوا بلیٰ" کا راز ایسا ہے کہ اس کے کشف کا آئینہ اللہ ہی کے قبضہ میں ہے، پس اتحاد کے معنی کا اثبات درحقیقت معیت اور غیریت کی نفی ہے)

غرض معرفت الٰہی کی استعداد روز ازل ہی سے انسان کے خمیر میں ودیعت کردی گئی ہے، اور وہ اسی فطری صلاحیت کے ساتھ اس دنیا میں آیا تھا لیکن وہ دنیا کی رنگینیوں پر فریفتہ اور دنیوی عیش و عشرت کے سامان سمیٹنے میں اتنا منہمک ہو گیا ہے کہ ضمیر کی آواز کی طرف دھیان باقی نہیں رہا، اس کی عقل نے اپنے پُرفریب دلائل سے اس کو گمراہ کردیا ہے، نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دنیا کے احوال و اشغال، ماحول کے خراب اثرات اور خود نفس کے میلانات و خواہشات نے اس کی فطری صلاحیت کو زائل کر دیا ہے، اور اس کا قلب تاریک ہو گیا ہے اگر کبھی توفیق الٰہی سے اس کی چشم بصیرت کھلی بھی تو اس کو نظر آیا کہ دنیا نے اس کو دھوکہ دیا، اس کے خواب تو بہت ہی ناپائدار ہیں، اس کے پاس جو دولت و ثروت ہے وہ دوسروں کی بچی کھچی چیزیں ہیں جن کو دنیا نے تو پہلے گلے لگایا تھا پھر دھکا دیکر نکال دیا، اسلیے عنقریب اسکے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا اور ایک دن اسے بھی اپنا سارا اثاثہ چھوڑ کر یہاں سے خالی ہاتھ جانا ہوگا، اب اس کو ہوش آتا ہے۔ تو دنیا سے اس کو نفرت ہو جاتی ہے، اور وہ صرف اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور اس کو دنیا کی ہر خواہش سے خالی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے لیے بڑی بڑی ریاضتیں کرتا ہے، جس طرح پاک و صاف وہ اس دنیا میں آیا تھا، اسی طرح اپنے خالق حقیقی کے پاس پہنچ جائے، اور اس کے دل میں دیدار الٰہی

کے شوق کے سوا اور کوئی تمنا باقی نہ رہے، اس وقت وہ محبوب حقیقی کی تلاش میں چاروں طرف سرگرداں پھرتا ہے، طرح طرح کی مشقتیں اٹھاتا ہے، اور اس میں اس کو لذت و راحت حاصل ہوتی ہے، بالآخر اس کا قلب بیدار ہو جاتا ہے، اور اس میں ایک روشنی نمودار ہو جاتی ہے، اور وہ دیکھتا ہے کہ نورِ الٰہی کی چمک تو خود اسی کے اندر جلوہ گر ہے، اور وہ جمالِ حقیقی کا مشاہدہ اپنے قلب ہی کے اندر کرنے لگتا ہے، اب اس پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ جس کو وہ اتنے عرصہ سے باہر تلاش کر رہا تھا، وہ خود اسی کے اندر موجود ہے اور روزِ ازل ہی سے موجود تھا، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں:۔

وانّی الّتی اجبتها لامحالة	وکانت لها نفسی علی محیلتی (۱۶۲)

(اور میں ہی لازمی طور پر وہ ہوں جس میں محبت کرتا تھا، اور اسی کے لیے میرا نفس مجھے میری ہی طرف پھیر رہا تھا)

فهامت بها من حیث لم تدر وهی فی	شهودی بنفس الامر غیر جهولة (۱۶۳)

(پس میرا نفس نادانی کی وجہ سے اس کی محبت میں سرگرداں رہا، حالانکہ میرے مشاہدۂ حق میں وہ حقیقت سے بے خبر نہیں تھا)

اس موقع پر خواجہ حافظ کے چند اشعار نقل کرنا نامناسب نہ ہوگا، ان میں حافظ نے ان ہی حقائق کا اظہار اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے؛

سالہا دل طلب جام جم از ما می کرد	انچہ خود داشت ز بیگانہ تمنا می کرد
دیدمش خرم و خنداں قدح بادہ بدست	واندراں آئینہ صد گونہ تماشا می کرد
گفتم ایں جام جہاں بیں بتو کے داد حکیم	گفت آں روز کہ ایں گنبد مینا می کرد

سکر اور صحو — سکر کے معنی بیہوشی اور صحو کے معنی ہوش کے ہیں، شیخ کے کلام میں یہ دونوں لفظ

اکثر ملتے ہیں، ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ راہِ سلوک میں تین حالتیں پیش آتی ہیں۔

پہلی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ سالک کو اشیاء کا شعور اسی طرح ہوتا ہے جس طرح عام لوگوں کو بیداری کی حالت میں ہوتا ہے، اس کو حالتِ صحو کہا جاتا ہے، دوسری حالت ایسی ہوتی ہے جس میں شعور و احساس مفقود ہو جاتا ہے، اس کو حالتِ سکر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اور تیسری حالت میں اشیاء کا احساس بھی ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اتحاد باللہ کی کیفیت بھی باقی رہتی ہے، اس کو صحوِ ثانی یا صحو الجمع کہتے ہیں، شیخ کے نزدیک یہی تیسری حالت سب سے اعلیٰ و ارفع ہے، سالک پر عرصہ تک سکر اور صحوِ اول ہی کی حالتیں یکے بعد دیگرے طاری ہوتی رہتی ہیں، اور وہ انھیں دونوں حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں رہتا ہے، اس کو تلوین کہا جاتا ہے، اس زمانہ میں وہ سکر کی حالت کو پسند کرتا ہے، اور اسی کو سلوک کا اعلیٰ مرتبہ خیال کرتا ہے، لیکن جب کبھی اس کو صحو الجمع کی حالت پیش آجاتی ہے اس وقت اس کو ادراک ہوتا ہے کہ اب اس کو اعلیٰ درجہ نصیب ہوا ہے، اور جب یہ حالت قائم ہو جاتی ہے تو اس کو تمکین کہا جاتا ہے، شیخ کے ساتھ راہِ سلوک میں یہی معاملہ پیش آیا تھا جیسا کہ ذیل کے اشعار سے واضح ہوگا:۔

اخال حضیضی الصحو والسکر معرجی	الیها ومحوی منتهی قاب سدرتی (۲۳۳)

(میں صحو کو اپنی پستی اور سکر کو بلندی خیال کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ اپنی ہستی کو محو دینا ہی میرا منتہائے مقصود ہے)

فلما جلوت الغین عنّی اجتلیتنی	مفیقا ومنی العین بالعین قرّت (۲۳۴)

(پھر جب میں نے اپنی نگاہوں سے پردہ ہٹا دیا تو خود کو شعور و افاقہ کی حالت میں پایا اور میری آنکھیں حقیقت کے ادراک سے ٹھنڈی تھیں)

فلا أین بعد العین والسکر منہ قد — أفقت وعین الغین بالصحو اصحت (۴۷۹)

(اور ادراک حقیقت کے بعد زمان و مکان کے سارے حدود معدوم ہو گئے، سکر سے مجھے افاقہ ہو گیا
اور حقیقت پر جو پردہ پڑا ہوا تھا وہ صحو سے دور ہو گیا)

وما فاقد بالصحو فی المحو واجد — لتلوینہ اهلا لتمکین زلفة (۲۸۲)

(اور جو حالت صحو میں حقیقت کو کھو دیتا ہے اور صرف حالت سکر ہی میں اس کو پاتا ہے
وہ اپنے تلون حال کی وجہ سے قرب الٰہی کی تمکین کا اہل نہیں ہوتا)

عام طور پر سالک کو جب سکر سے افاقہ ہوتا ہے، تو وہ صحو اول ہی کی طرف عود کر جاتا ہے، ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ حالت سکر کے بعد اس پر صحو ثانی کی حالت طاری ہو، شیخ کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر وقت صحو ثانی کے حال میں رہتے ہیں۔

غرض ابتدائی مرحلہ میں سالک کو خالق اور مخلوق کے درمیان امتیاز کا شعور ہوتا ہے لیکن دوسرے مرحلہ یعنی سکر کی حالت میں یہ امتیاز مٹ جاتا ہے، اور جب وہ تیسری منزل یعنی صحو الجمع کی حالت میں پہنچتا ہے تو خالق و مخلوق کے درمیان امتیاز اور اتحاد دونوں کا شعور ساتھ ساتھ ہوتا ہے، اس حالت کا بیان شیخ نے اس طرح کیا ہے:

وطاح وجودی فی شہودی وبنت عن — وجود شہودی ماحیا غیر مثبت (۲۱۲)

(اور میرا وجود میرے شہود میں گم ہو گیا اور پھر میں اپنے شہود کے وجود سے بھی بے خبر ہو گیا،
درانحالیکہ میں اسے محو کرنے والا تھا۔ اس کو باقی رکھنے والا نہ تھا)

وعانقت ما شاهدت فی محو شاهدی — بمشهده للصحو من بعد سکرتی (۲۱۳)

(اور سکر کے بعد جب مجھے صحو حاصل ہوا تو میں نے اسکو باقی رکھا جس کا مشاہدہ میں نے اس وقت
کیا تھا جبکہ اس کے شہود کی وجہ سے اپنے وجود کو فنا کر دیا تھا یعنی سکر کی حالت کو صحو
کے بعد بھی باقی رکھا)

ففی الصحو بعد المحو لم أک غیرها — وذاتی بذاتی اذ تحلت تجلت (۲۱۴)

(پس سکر کے بعد صحو کی حالت میں میں اس کا غیر نہیں تھا اور جب اس کا جلوہ نمایاں ہوا تو
میری ذات خود اپنی ہی ذات سے مزین ہو گئی)

ایک دوسرے موقع پر صحو الجمع کی حالت کا بیان اس طرح کیا ہے:-

تحققت انا فی الحقیقة واحد — وأثبت صحو الجمع محو التشتت (۵۰۸)

(مجھ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ہم درحقیقت ذات واحد ہیں اور صحو الجمع کی حالت نے
افتراق و امتیاز کے محو کو ثابت کر دیا ہے)

وکلی لسان ناظر مسمع ید — لنطق وادراک وسمع وبطشة (۵۰۹)

(میری ساری ذات بولنے کیلئے زبان، دیکھنے کے لیے آنکھ، سننے کے لیے کان اور پکڑنے کیلئے ہاتھ ہے)

فعینی ناجت واللسان مشاهد — وینطق منی السمع والید اصغت (۵۱۰)

(پس میری آنکھ سرگوشی کرتی ہے، زبان دیکھتی ہے، کان بولتا ہے اور ہاتھ سنتا ہے)

انسان کے مختلف اوصاف الگ الگ اعضا سے متعلق ہوتے ہیں، اس لیے وہ ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا جدا معلوم ہوتے ہیں، لیکن روح چونکہ واحد اور مطلق ہے اور اس کے اجزا نہیں کیے جا سکتے، اس لیے تمام صلاحیتیں روح کے اندر ایک دوسرے میں ضم ہو جاتی ہیں، اس لیے ایک صوفی کامل کہہ سکتا ہے کہ اس کی جملہ صلاحیتیں اس کے جسم کے ہر ہر ذرے سے ایک ساتھ کام کر رہی ہیں۔

(باقی)

فارسی ادب اور تمدن

میں

بہمنیوں کا حصہ

از جناب ڈاکٹر محمد عبد المنان صاحب ریڈر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ

جغرافیائی محلِ وقوع اور دوسرے قدرتی عوامل نے دکن کے شاندار ماضی کے بنانے میں بڑا کام کیا، یہ خطہ تمام ہندوستان میں اپنی جغرافیائی اور تمدنی دل فریبیوں کا بہت بڑا مخزن ہے، تاریخ ہند کے وسیع مفہوم کے مقابلے میں دکن کی تاریخ چھوٹے پیمانے پر ہندوستان کی مختلف قوموں، تہذیبوں اور مرور زمانہ میں جو ترقیاں ہوئیں ان پر دیرپا اثرات کا ایک معلومات آفریں مطالعہ پیش کرتی ہے، سرزمین دکن اپنی امتیازی خصوصیات، زبان، نسل اور مذہب کے تنوع کے اعتبار سے عجوبۂ روزگار ہے، یہ مقام اتصال ہے، مختلف اقوام، السنہ، مذاہب اور عقائد کا۔ سیاسی، معاشرتی اور تمدنی اعتبار سے ہندوستان کے عہد وسطی کا کوئی حصہ دکن کے مقابلے میں مشترک تمدنی میراث اور ثقافتی ترکہ سے مالامال نہیں ہے، اس عہد کی تعمیرات اور صوفیوں کی تعلیمات اسی مشترک تصورات کو آئینہ دار ہیں، ہندوستان کی تاریخ کے تمام بڑے رجحانات اس آئینہ میں منعکس ہوتے ہیں، غرض ہندوستان کی تاریخ تہذیب و تمدن میں مجموعی حیثیت سے دکن نے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔

بہمنی سلطنت کی تاسیس چودہویں صدی کے وسط میں عمل میں آئی جو دکن کی تاریخ کا تابناک باب ہے، اس کا اقتدار سرزمین دکن پر تقریباً دو سو سال تک رہا، اس کا پہلا پایۂ تخت گلبرگہ تھا، اس کے تقریباً ۸۰ برس کے بعد اس کا سیاسی و تمدنی مرکز نقل محمد آباد بیدر منتقل ہوا، جو قلب دکن میں واقع ہے،

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عہد بہمنیہ تمدنی اور ادبی اعتبار سے تہی دست ہے، جو انتہائی غلط نظریہ ہے، یہ خیال کہ سلاطین بہمنیہ اور ان کے وزرا، نیم وحشی اور جنگجو تھے؟ سخت ناانصافی پر مبنی ہے، درآنحالیکہ بہمنیہ سلطنت کا سرزمین دکن میں قیام عہد وسطی کی تاریخ کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے، اس نے ہندوستان کے عہد وسطی کے تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں جو گراں بہا خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں، گو کہ ان کا دور حکومت بیشتر کشورکشائی اور تسخیر ممالک میں گذرا؛ اس کے باوجود انھوں نے علوم و فنون اور ادب و شاعری کی سرپرستی کی۔ ان کے دربار میں فارسی کے ادیب، شاعر، فلسفی، ماہر فلکیات، مورخ، صوفی اور ارباب کمال موجود رہتے تھے، انھوں نے شمال کے خلجی اور تغلق سلاطین کی علمی و ادبی روایات کو آگے بڑھایا، ان کے حکمرانی کے زمانہ میں تھوڑے ہی دنوں کے اندر سرزمین دکن عالموں، فاضلوں، ادیبوں اور پاک باطن ہستیوں کا گہوارہ بن گئی، جنھوں نے علوم و فنون کی شمع روشن کر دی۔ ان لوگوں کے علمی اور روحانی فیضان نے نہ صرف اہل ملک کو متاثر کیا بلکہ سلاطین بہمنیہ بھی ان کے دانشمندانہ مشوروں اور روحانی ہدایتوں سے مستفید ہوتے تھے، ان نووارد ادیبوں اور عالموں نے دکن کی علمی سطح کو بلند کیا، اور ایک خاص علمی فضا

پیدا کر دی، باہر سے آنے والے عالموں اور ادیبوں کی زیادہ تر تعداد ایران اور ماوراء النہر کی تھی جو اپنے ہمراہ فارسی زبان و ادب کے تمدنی روایات کو لیکر آئے، اور تھوڑے دنوں میں دکن کے معاشرے کو اعلیٰ تمدنی اقدار، نفاست اور شائستگی کی دولت عطا کی، اسی بنا پر دکن کے عہد وسطیٰ کی زندگی ایرانی تہذیب و تمدن میں رنگی ہوئی نظر آتی ہے، ان کا تخیل اور زندگی اسی سرچشمہ سے آب خوردہ ہے، جس کا زندہ ثبوت عہد بہمنیہ کی عمارتیں ہیں، جن کی شان و شوکت اور نفاست و نزاکت ایرانی تہذیب کے فیضان کی غمازی کرتی ہیں، اسی طرح صوفیہ کے باطنی فیوض اور روحانی تعلیم نے دکن کے معاشرے کو نئے سانچے میں ڈھالا، الحاصل بہمنیوں نے عہد وسطیٰ میں ایک تہذیبی سلطنت کی بنیاد رکھی اور اسکے علم و ادب اور تہذیب و تمدن کو اپنے کارناموں سے درخشانی اور تابانی عطا کی۔

سلاطین بہمنیہ نے اپنی بیدار مغزی اور روشن خیالی سے ہندوستان کو حسب ذیل بیش قیمت تہذیبی ورثہ عطا کیا،

مملکت کی ہیئت انتظامیہ سلاطین بہمنیہ نے دکن کے منتشر اجزاء کو جوڑ کر ایک سیاسی وحدت قائم کی، ممالک محروسہ کو چار "طرف" میں تقسیم کیا، بظاہر مملکت کی صوبہ داری تقسیم انتظامی سہولت کے لیے کی گئی تھی، لیکن اس تقسیم میں جغرافیائی اور لسانی امتیازات کا خاص طور سے لحاظ رکھا گیا تھا، چار میں سے تین صوبے دکن کی تین اہم زبانوں یعنی مرہٹی، کنڑی اور تلنگی کے گہوارے تھے، اس انتظام سے بہمنیوں کی بالغ نظری اور تدبر کا ثبوت ملتا ہے، گویا انھوں نے اپنی قلمرو کی زبان واری تقسیم سے جدید ہندوستان کو راستہ بتلایا، بہمنیوں کو شمال سے جو آئین جہانبانی ملا تھا، اس کو انھوں نے دکن کے تومی

اور جغرافیائی خصوصیات سے ہم آہنگ کر کے ایک نئے نظام حکومت کی تدوین کی، عدلیہ کی تنظیم ان کی ذہانت اور تدبر کا بین ثبوت ہے۔

(۲) زرعی اور معاشی ترقی بہمنی حکمرانوں کے زمانے میں رعایا خوشحال اور ملک آباد تھا، زراعت، تجارت اور صنعت و حرفت کو فروغ حاصل تھا، مملکت کے تمام ذرائع اہل ملک کی خوشحالی اور ملک کی ترقی کے لیے استعمال ہوتے تھے، ان کا دور حکومت فراوانی اور افزونی سے عبارت تھا، انتظام مالگذاری میں خواجہ محمود گاوان نے جن اصلاحات کو نافذ کیا؛ ان کا دکن کی زرعی معیشت پر فائدہ مند اثر پڑا اور بعد کے زمانہ میں ان ہی خطوط پر ملک عنبر اور ٹوڈرمل نے زرعی اصلاحات کا منصوبہ تیار کیا۔

(۳) اندرونی حکمت عملی اور رفاہ عام کے کام اگرچہ سلاطین بہمنیہ نے توسیع مملکت اور کشورکشائی کیجانب زیادہ توجہ کی لیکن نظم و ضبط اور امن و امان کی بحالی کے بعد ان کی توجہ تمامتر رعایا کے سود و بہبود اور مملکت کی ترقی کے کاموں پر مبذول رہتی تھی، وہ حکمرانی اور جہانبانی کے بلند نصب العین پر کاربند تھے، بادشاہت اور اقتدار کو عطیۂ الٰہی اور امانت خداوندی سمجھتے تھے، بدقسمتی سے عہد وسطیٰ کی تاریخوں سے (جن کو ظفر نامے کہنا زیادہ مناسب ہوگا) راعی اور رعایا کے تعلقات اور اس دور کی اجتماعی زندگی پر روشنی نہیں پڑتی، لیکن بیرونی سیاحوں کے سفرناموں، کتبات اور دوسری تاریخی دستاویزوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلاطین بہمنیہ امور مملکت بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے، نظم و نسق اور فوج میں غیر مسلموں کو اہم اور ذمہ داری کی خدمات سپرد کیجاتی تھیں، ان کی مذہبی حکمت عملی، رواداری، فراخدلی اور وسیع النظری پر مبنی تھی، احمد شاہ اول کے عرس کی تقریبات ان کا زندہ ثبوت ہیں،

دربار میں مسلمان قاضیوں کیساتھ ہندو پنڈتوں اور پروہتوں کی یکساں توقیر کی جاتی تھی، سوامی نرسما سرسوتی سے علاء الدین احمد شاہ ثانی کی عقیدت اسی سلسلے کی کڑی ہے، انھوں نے دکن میں متعدد مندر بنائے اور ان کے اخراجات کے لیے جاگیریں وقف کیں اور برہمنوں اور پجاریوں کے لیے معاش مقرر کی، غرض مجموعی حیثیت سے بہمنی سلاطین بڑے فیاض، روادار، فراخدل اور وسیع النظر تھے، بہمنی سلطنت کی خاکستر پر قائم ہونے والی پانچ ریاستوں خصوصاً گولکنڈہ اور بیجاپور کے حکمرانوں نے سلاطین بہمنیہ کی اس فراخدلی اور بے تعصبی کے مسلک کو جاری رکھا،

انھوں نے اپنے دور حکومت میں رعایا کے آرام و آسائش کے لیے بڑے وسیع پیمانے پر تمدن کے ضروری اجزاء کو ترقی دی۔ ان میں شفاخانوں کو اولیت حاصل ہے، عہد وسطیٰ میں سب سے پہلے فیروز تغلق نے ایک بہت بڑا شفاخانہ قائم کیا۔ اس کے بعد علاء الدین احمد شاہ نے ۸۵۷ھ میں پایۂ تخت بیدر میں ایک عمدہ شفاخانہ کی بنیاد ڈالی، وہ پہلا فرمانروا تھا جس نے دکن میں شفاخانہ قائم کیا۔ فقیروں اور محتاجوں کی امداد کے لیے لنگر خانے بھی جاری کیے، جہاں غریبوں کو خام غلہ یا پکا پکایا کھانا ملتا تھا، اس کے علاوہ نہر، تالاب، کنویں اور اسی قبیل کے بہت سے کار خیر انجام دیے، جن کی یادگاریں ابتک موجود ہیں۔

(۴) علوم و فنون اور تعلیم سے دلچسپی سلاطین بہمنیہ علوم و فنون کے بڑے سرپرست تھے، رعایا کی تعلیم کی طرف ان کی خاص توجہ تھی، اور یہ ان کے دور حکومت کا امتیازی وصف تھا، محمد آباد بیدر نہ صرف اپنی خوشگوار معتدل آب و ہوا اور حسین قدرتی مناظر کی بنا پر بہمنیہ سلطنت کا پایۂ تخت تھا بلکہ علوم و فنون اور تعلیم کا بڑا مرکز بھی تھا، سلاطین کو مکاتب

اور مدارس کے قیام میں بڑی دلچسپی تھی، تمام اہم علمی مرکزوں پر کتب خانے قائم تھے، منگولوں کے خون آشام حملوں کی بنا پر ایشیائے وسطی کے بیشتر اصحاب علم و فضل نے دکن میں آکر پناہ لی، اس طرح دکن مشرق میں اسلامی فنون کا بڑا گہوارہ بن گیا، تعلیمی اخراجات کے لیے سلاطین کی طرف سے جاگیریں وقف تھیں، اس لیے ان کی سیاسی اور فوجی مصروفیتوں سے علمی اور تعلیمی ترقی کے کاموں میں خلل نہیں پڑتا تھا، اس سلطنت کے نامور وزیر اعظم خواجہ محمود گاواں نے پایۂ تخت بیدر میں ایک دارالعلوم قائم کرکے اسکو بڑا تعلیمی مرکز بنا دیا، یہ درسگاہ عہد وسطیٰ میں عدیم النظیر اور عہد وسطیٰ کی پہلی درسگاہ تھی، جہاں طالب علموں کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کا پورا اہتمام اور رہائش و خورد و نوش کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام تھا،

(۵) بیرونی ممالک سے روابط سیاسی سلاطین بہمنیہ کے نہ صرف پڑوسی ممالک اور اقطاع ہند سے خوشگوار تعلقات قائم تھے، بلکہ بیرونی ممالک ترکی، ایران، مصر اور عراق میں انکی بڑی قدر و منزلت تھی، آپس میں سفارتوں کا تبادلہ بھی عمل میں آتا تھا، چنانچہ فیروز شاہ بہمنی نے تیمور کے پاس سفارت بھیجی تھی اور تیمور نے اس کو "فرزند خیر خواہ" کے لقب سے موسوم کیا تھا، اسی طرح خواجہ محمود گاواں کے دور وزارت میں سلطنت کے سفارتی تعلقات ایران، مصر اور ترکی سے تھے، ریاض الانشاء کے خطوط سے اس پر روشنی پڑتی ہے،

(۶) مشترک قومی تہذیب دکن میں مسلمانوں کی آمد سے قدیم اور جدید تمدن کا امتزاج ہونے لگا تھا، جس سے چند دنوں میں مقامی اور بیرونی تمدنی عناصر کا ایک خوشگوار مرکب تیار ہوا، اسی مشترک قومی تہذیبی فضا میں بہمنیہ سلطنت کا قیام عمل میں آیا، اس نے اپنے

قیام کے بعد ہی سے اس متحدہ تہذیب کو پروان چڑھانا شروع کردیا، اور بلا امتیاز قوم وملت سرزمین دکن میں بسنے والی تمام قومیتوں کے ذہنی، اخلاقی اور مادی ترقی اور نشوونما کے لیے سامان بہم پہنچایا۔ اس طرح سلاطین بہمنیہ نے ہندوستانی تہذیب کے اس سدا بہار چمن کی آبیاری کی ہیں .... اپنی بلند نگاہی سے تہذیبی اور سیاسی اعتبار سے دکن کے تمام طبقات کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی سعی بلیغ کی، اس طرح مختلف رنگوں کے امتزاج سے ایک خوشنما اور ہم آہنگ نقش تیار ہوا، سلاطین بہمنیہ میں فیروزشاہ نے خاص طور سے قومی تہذیب کو مجسم کرنے کی کوشش کی، اس کو مقامی زبانوں میں اسقدر مہارت حاصل تھی کہ دکن کے اہل زبان سے ان کی زبانوں میں گفتگو کرتا تھا، زبان فی الحقیقت دلوں کو ملانے کا کام انجام دیتی ہے، اسلیے اس چیز نے دکن کے مختلف طبقوں کو اتحاد و یگانگت کے رشتے میں منسلک کردیا۔ مقامی زبانوں سے اسکے شغف نے حاکم اور محکوم کی اجنبیت اور مذہبی بیگانگی کو مٹاکر ایک قومی تہذیبی فضا پیدا کردی، اور مقامی راجاؤں سے شادی بیاہ نے اس یگانگت اور قومی اتحاد کو اور پروان چڑھایا۔

(۷) فن تعمیر | سلاطین بہمنیہ کو فن تعمیر سے خاص ذوق تھا، گلبرگہ اور بیدر کی عمارتیں انکے ذوق کی کھلی نشانیاں ہیں، ہندومسلم طرز تعمیر کا آغاز اور ارتقا، دکن کی قومی تہذیبی فضا میں عمل میں آیا، عمارتیں اپنے زمانے کے تمدن کی جیتی جاگتی نشانیاں ہوتی ہیں، دکن میں ایرانی اور مقامی طرز تعمیر کا امتزاج غیر شعوری اور تاریخی طاقتوں ...... کے زیر اثر وجود میں آیا، اور ہندومسلم ذہن کا جو امتزاج صوفیوں اور ولیوں کی کوششوں کے باوجود نہ ہوسکا تھا وہ فن تعمیر میں خود بخود ہوگیا۔ سلاطین بہمنیہ نے اپنے ذوق تعمیر سے ایک خاص طرز تعمیر پیدا کیا، جو ہندوستانی، ترکی، مصری اور ایرانی طرز تعمیر کے امتزاج

کا نمونہ تھا، یہ صحت مند اثرات ان کے ابتدائی دور ہی سے نمایاں ہونے لگے تھے جس کا ثبوت اس دور کی مذہبی اور غیر مذہبی عمارتوں سے ملتا ہے، چنانچہ اس کے ابتدائی آثار غیاث الدین بہمنی کے گنبد کے محراب (Prayer niche) سے ظاہر ہوتے ہیں، یہ تہذیبی رابطے اور اثرات فیروزشاہ کے زمانے میں معراج کمال پر پہنچ گئے، انھوں نے قلعے میں ایک بڑی مسجد تیار کرائی جو ابھی تک زمانے کے دستبرد کے باوجود باقی ہے، یہ ہندوستان میں اسلامی فن تعمیر کا پہلا نمونہ ہے، اسکے بعد بیدر کے عہد میں نئی نئی عالیشان اور پرشکوہ عمارتیں تعمیر کرکے سلطنت کی تعمیری سرگرمیوں کو اوج کمال پر پہنچایا، ان میں خصوصیت سے قابل ذکر احمد شاہ اول کے گنبد اور اس کے اندر کے نقش ونگار اور کتبات ہیں، یہ کتبات رسم الخط کے اعتبار سے نسخ، کوفی اور ثلث میں ہیں، اس قسم کی نفیس نقاشی مصر اور عرب اور اس کے بعد سمرقند کی عمارتوں میں ملتی تھی، ہندوستان میں یہ اس کا واحد نمونہ ہے، اسکے بعد خواجہ محمود گاوان کا مدرسہ ہے جس کا طرز تعمیر سمرقند کے قدیم مدارس اور مساجد کا نمونہ ہے، اسکی دیواروں کی کاشی کاری اس کے حسن کو دوبالا کرتی ہے، یہ کاشی کاری فنی نقطۂ نگاہ سے قدر اول کی چیز ہے، ان عمارتوں کے کتبات کا رسم الخط ملا جلا ہوا نسخ اور نستعلیق ہے، اس کو ہم ہندوستانی کتبات میں خط نستعلیق کی ابتدا قرار دے سکتے ہیں، یہ چیز ہندوستان کے سوا کہیں دستیاب نہیں ہوسکتی۔

(۸) اردو یا دکھنی کا نشوونما | بہمنیہ سلطنت کی قومی، تہذیبی فضا میں اردو زبان کو بھی فروغ حاصل ہوا، اس کی پیدائش دو مختلف تہذیبوں (ہندو مسلم) کے ملاپ کا نتیجہ ہے، اسی بنا پر اس زبان کو دکن کا تہذیبی ماحول بہت موافق آیا، اس زمانے میں شمال سے

آئی ہوئی زبان (اردو) نے دکن میں نئے برگ و بار پیدا کئے اور بول چال کی اس نوزائیدہ زبان نے علوم و فنون اور شعر و ادب کی زبان کا درجہ حاصل کیا، اس تہذیبی اختلاط اور تمدنی لین دین کا اظہار بہمنی سلطنت کی ابتدا ہی میں ہونے لگا تھا، عصامی کی تصنیف "فتوح السلاطین" (جو عہد بہمنیہ کا اولین ادبی شہ کار ہے) میں ہندی اور مقامی زبانوں کے الفاظ اس لسانی و تمدنی اختلاط کی نشاندہی کرتے ہیں، اسکے بعد حضرت عین الدین گنج علم کے دکھنی رسالے (جو اب ناپید ہوگئے ہیں) اس زبان کی ترقی کا دوسرا زینہ ہیں، اس کے بعد فیروز شاہ بہمنی کے قوم پرور اور روشن دور حکومت میں دوسری تہذیبی ترقیوں کے ساتھ اس زبان کو بھی غیر معمولی فروغ حاصل ہوا، خود بادشاہ کی مقامی زبانوں سے شیفتگی نے اس نوزائیدہ زبان کے مستقبل کو روشن بنا دیا، اس زبان میں فیروز شاہ کی ایک رباعی دستیاب ہوئی ہے جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ وہ اردو یا دکھنی کا بھی شاعر تھا، وہ رباعی حسب ذیل ہے:-

تجہ مکھ چندا جوت دسے سارا جیوں	تج کان پہ موتی جھمکے تارا جیون
فیروزہی عاشق کون ٹک یک جا کن دے	تج شوخ ادھر لبے شکر پارا جیون

اس کے علاوہ اس زبان کو اس دور کے جلیل القدر صوفی اور زبردست اہل قلم حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی سرپرستی حاصل ہوئی، جن کی مسیحائی نے اس کو طفل سادہ سے جوان رعنا بنا دیا، حضرت مخدوم کے فارسی تصانیف میں مقامی زبانوں کے الفاظ ملتے ہیں، اس کے ساتھ یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ آپ طالبانِ حقیقت کو اس زبان میں اپنی تعلیمات سے مستفید فرماتے تھے۔

اس میں آپ کے چند اشعار بھی ملتے ہیں، اور آپ کی تصنیف "معراج العاشقین" نے جو دکھنی نثر کا سب سے قدیم نمونہ ہے، حضرت ممدوح کو اس زبان کا ادیب بنا دیا، عہد بہمنیہ کے اس زبان کے جو نمونے دستیاب ہوتے ہیں، ان میں مذہب و تصوف کا حصہ غالب ہے، اس دور کے خالص ادبی نمونوں میں نظامی کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ ہے جو ۸۶۳ھ کے لگ بھگ کی تصنیف ہے، آخر عہد بہمنیہ میں اس زبان کے چند شعرا کے نام بھی ملتے ہیں،

(۹) دکن کے ایران سے تمدنی روابط اور فارسی زبان و ادب کی سرپرستی

ایران اور دکن کے سیاسی روابط نے ان دونوں ملکوں کے درمیان علمی اور ثقافتی اتحاد کا ایک نیا باب کھول دیا، سلاطین بہمنیہ میں محمد شاہ ثانی کے زمانے سے ایران اور سمندر پار ملکوں سے اصحاب علم و فضل کی آمد کا سلسلہ قائم ہوگیا تھا جن کی بادشاہ حوصلہ افزائی کرتا تھا، فیروز شاہ نے اپنے خسر کی قائم کردہ روایات کو آگے بڑھایا، اس کی قدر افزائی سے سلاطین بہمنیہ کا دربار ایرانی ادیبوں اور شاعروں کا ملجا اور ماویٰ بن گیا، ایرانی ادیبوں کی دکن میں آمد، ہندوستان اور ایران کے درمیان تمدنی سنگم ثابت ہوئی، ان کے ذریعہ ایران، خراسان اور خوارزم کی آب و تاب، شان و شوکت اور تجمل و شائستگی دکن منتقل ہوگئی اور سلاطین بہمنیہ کا دربار ایرانی دربار کا نمونہ بن گیا، ان نوواردوں نے دکن کو اپنا وطن ثانی بنا لیا، ان میں زیادہ تعداد ماوراء النہر کے عالموں اور شاعروں کی تھی، جن کے اثر سے دکن میں فارسی زبان و ادب کو ہمہ جہتی فروغ حاصل ہوا، اور یہ لسانی اور ادبی دھارا سیدھا ایران سے ہندوستان کے رخ بہنے لگا، جس نے فارسی ادب میں ایک نئی زندگی پیدا کردی۔

اس سے بول چال کی فارسی زبان بھی نکھرتی اور نکھرتی رہی۔

فارسی زبان کو بہمنیہ عہد میں سرکاری اور ادبی زبان کی حیثیت حاصل تھی۔ سلاطین بہمنیہ خود ذی علم اور فارسی زبان و ادب کے بڑے سرپرست تھے۔ خاص طور پر محمد شاہ ثانی، فیروز شاہ اور احمد شاہ اول نہ صرف فارسی زبان و ادب کے عالم بلکہ فارسی شعراء و ادباء کے بڑے قدردان تھے۔ اس لیے ان کے دورِ حکومت میں فارسی زبان اور شاعری کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا، ان کی قدردانی اور داد و دہش نے ایران اور ماوراءالنہر کے علمی و ادبی مرکزوں سے شعرا اور علماء کی آمد نے دکن کو "ایران کوچک" بنا دیا، اور فارسی ادب کے جملہ اصناف تاریخ، شاعری اور مذہبی و صوفیانہ ادب کو بڑی ترقی ہوئی اور اس نے یہاں کی زبانوں اور ہندوستان کے مذہبی افکار پر بھی بڑا اثر ڈالا اور اس عہد میں صوری اور معنوی دونوں لحاظ سے بلند پایہ ادب پیدا ہوا، لیکن افسوس ہے کہ اس کا بڑا حصہ انقلاباتِ زمانہ کی نذر ہو گیا، شاعری میں "فتوح السلاطین" اور "بہمن نامے" کے چیدہ اشعار، نثر میں "ریاض الانشا" اور "مناظر الانشا" اور حضرت خواجہ بندہ نوازؒ اور ان کی اولاد کی صوفیانہ تصانیف باقی رہ گئی ہیں، جن سے اس عہد میں فارسی ادب کی ترقی کا اندازہ ہو سکتا ہے،

بحیثیت مجموعی بہمنیہ عہد کے ادب کے دو اسلوب قابل ذکر ہیں، پہلے اسلوب میں لفظی شان و شوکت اور صناعی پائی جاتی ہے جس کو ہم درباری ادب کہہ سکتے ہیں، خواجہ محمود گاوان کے خطوط کا مجموعہ "ریاض الانشا" اس ادب کا اعلیٰ نمونہ ہے جس کی زبان عہد وسطیٰ کے انشا کا نمونہ ہے۔ دوسرے اسلوب کی خصوصیت سادگی، سلاست اور روانی ہے جس کو ہم صوفیانہ ادب کہہ سکتے ہیں، اس کا انداز بیان سادہ، شگفتہ، فطری اور دلنشین ہوتا ہے،

(۱۰) میراثِ روحانی | سرزمین دکن کو بہت سے پاک باطن بزرگوں اور برگزیدہ ہستیوں کی ابدی آرامگاہ

ہونے کا فخر حاصل ہے جنھوں نے اپنے علم و عمل اور اخلاق و روحانیت سے دکن کی حیاتِ قومی کو ایک نیا رنگ و آہنگ عطا کیا، ان بزرگوں میں حضرت شیخ عین الدین گنج علمؒ، حضرت سراج الدین جنیدیؒ، حضرت خواجہ بندہ نوازؒ اور حضرت شاہ نعمت اللہ کرمانیؒ کی اولاد گرامی کے فیضان کا بڑا اثر ہے۔

ہندو مسلم صوفیہ معاشرہ کے بڑے معمار تھے، جنھوں نے تصوف اور ویدانت کے امتزاج سے ایک مخلوط معاشرہ کی صورت گری کی، اور ان دو الگ الگ بہتے ہوئے دھاروں کا تمدن کے سنگم میں ملاپ ہوا، جس نے ہندوستان کی بعد کی تاریخ پر دوررس اثرات مترتب ہوئے، صوفیہ نے دکن کے مختلف معاشرتی گروہوں میں ہم آہنگی پیدا کرکے بڑی گرانبہا خدمت انجام دی، اس اعتبار سے معاشرتی اور تمدنی ارتقا کے سلسلے میں ان کے کارنامے مہتم بالشان ہیں،

اس کے علاوہ انھوں نے فارسی زبان کو صوفیانہ عقائد اور خیالات کی بیش قیمت دولت عطا کی اور دکن کا عہد وسطیٰ بجا طور پر ایران کے مقابلے میں اس صوفیانہ ادب پر ناز کر سکتا ہے، خاص طور پر حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ نے تصوف و سلوک کی امہاتِ کتب (جو عربی زبان میں تھیں) کو فارسی زبان میں منتقل فرما کر اس کی معنوی دولت میں اضافہ کیا،

(۱۱) اہم شخصیتیں | بہمنی عہد تاریخی اعتبار سے بڑا متمول دور ہے، اس نے اپنے دو سو سالہ عہد میں بہت سے مدبر، عالم اور معمار قوم پیدا کیے، ان میں ملک سیف الدین غوری، میر فضل اللہ انجو، ملکہ مخدومہ جہاں نرگس بیگم اور خواجہ محمود گاوان قابل ذکر ہیں، آخر الذکر دونوں کا مختصر تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔

ملکۂ مخدومۂ جہاں نرگس بیگم | ملکۂ مخدومۂ جہاں نرگس بیگم، ہمایوں شاہ بہمنی کی بیوی تھی جو شوکت وعظمت میں شاہانِ بہمنیہ پر امتیاز رکھتی تھی، یہ ملکہ نہایت عاقلہ، زیرک اور علم وفضل کے زیور سے آراستہ تھی، اس کو ملک کے انتظام واہتمام کا خداداد ملکہ حاصل تھا، اس نے سلطنت بہمنیہ کے سفینے کی نہایت نازک وقت پر ناخدائی کی، اس کے علمی ذوق وشوق کی بنا پر اس کی ڈیوڑھی پر عالموں، فاضلوں، فلسفیوں، شاعروں اور ادیبوں کا مجمع رہتا تھا، اور اس کا محل اہل علم واصحابِ کمال کا مرجع اور ماویٰ تھا، اس زمانہ میں اس کے محل سے بڑی علمی صحبت ملک بھر میں کہیں نہیں تھی،

خواجہ محمود گاوان | خواجہ محمود گاوان کے کارنامے بہمینہ تاریخ کا تابناک باب ہیں۔ دکن کی علمی تاریخ میں اس کے علمی کارناموں "ریاض الانشاء" اور "مناظر الانشاء" کو شہرتِ دوام حاصل رہے گی، جو فن انشاء کی تاریخی اور دکن کے سیاسی معلومات میں اضافہ کرتی رہیں گی،

جائے آں دارم کہ آرم رو بہ ہندوستاں کہ شد
ہند رشکِ روم از عکسِ جمالِ انورش

کتب خانہ دار المصنفین کے نوادر اور مخطوطات

از جناب مولوی عبد المجید صاحب ندوی اعظمی بی اے ناظر کتب خانہ دار المصنفین

دار المصنفین کا کتب خانہ اسلامی علوم وفنون کا بیش بہا خزانہ ہے، اس میں زیادہ تر مطبوعہ کتابیں ہیں، مگر ان میں بھی اب بہت سی نادر و نایاب ہیں، چند سو قلمی نسخے بھی ہیں، ان میں سے بعض قدامت بعض تاریخی اہمیت، بعض خطاطی اور بعض فن کے اعتبار سے نہایت اہم اور قیمتی ہیں، یہ اتفاق ہے کہ اب تک اس کا تعارف نہ ہو سکا۔ اس لیے اہل علم کی آگاہی کے لیے ان کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) فارسی مخطوطات

۱۔ **اکبر نامہ**:۔ یہ ابو الفضل علامی کی مشہور تصنیف اور اس کی محنت اور انشاپردازی کا شاہکار ہے، اس کے ہمعصر احمد امین رازی اپنی تصنیف "تذکرۂ ہفت اقلیم" میں لکھتے ہیں:۔

"بے شائبۂ تکلف وسخنوری وبے غائلۂ توصیف ومدح گستری، امروز در عقل وفہم نظیر وعدیل ندارد ... چہ نوادر حکایات بعبارت تازہ در سلک تحریر می کشد، واز تکلفات منشیانہ وتصنیفات مترسلانہ اجتناب واجب می داند، وشاید ایں معنی اکبر نامہ است وہم چنیں بشعر خواندن رغبت بسیار دارد و بہ نزاکت ودقت نظم نیک می رسد، واحیاناً بنا بر آزمودنِ طبع جواہر نظمے از کانِ اندیشہ بیروں می آرد۔"

اکبر نامہ کے اسلوب و انداز بیان کے متعلق مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں :-

"مضامین کا ہجوم، عبارت کا جوش و خروش، لفظوں کی دھوم دھام، کلماتِ مترادف کی بھتات، ہر واقعہ کے ساتھ اس کی دلیل و برہان، کئی کئی کاف بیانیہ، جملے معترضہ، فقرہ پر فقرہ چڑھتا چلا آتا ہے، گویا کمانِ کیانی ہے کہ کھنچتی ہی چلی آتی ہے"۔

پیش نظر نسخہ خوشخط نستعلیق ہے، کاغذ قدیم، مختلف مناظر کی دلکش تصویریں ہیں، جو آرٹ کا بہترین نمونہ اور اب تک بالکل تر و تازہ معلوم ہوتی ہیں، نسخہ تقطیع کلاں کے ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۳۰ سطریں ہیں، تاریخ کتابت اور کاتب کا نام درج نہیں، کاغذ اور خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصنیف کے قریب ہی عہد کا مکتوبہ ہے،

۲- **مونس الارواح** :- یہ کتاب شاہجہاں کی چہیتی بیٹی جہاں آرا کی تصنیف ہے، جہاں آرا، ممتاز محل کی گود، نور جہاں کی صحبت اور شاہجہانی عہد کی اعلیٰ علمی و تمدنی فضا میں پروان چڑھی تھی، جب وہ ۲۶ سال کی تھی تو ۱۰۴۹ھ میں "مونس الارواح" لکھی تھی، اس میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور ان کے سلسلہ کے اکابر مشائخ کے مختصر حالات عقیدتمندانہ قلمبند کیے ہیں،

یہ کتاب بڑی عقیدت اور ادب و احترام کے ساتھ لکھی گئی ہے، اس کی انشاء بڑی سلیس اور شگفتہ ہے، مولانا شبلی نعمانیؒ اس کی انشاء کے معترف تھے،

مونس الارواح میں جہاں آرا نے اپنے طبع زاد اشعار بھی لکھے ہیں، مثلاً حمد کا یہ شعر

آنجا کہ کمال کبریائے تو بود	عالم نمی از بحر عطائے تو بود
مارا چہ حمد و ثنائے تو بود	ہم حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

پیش نظر قلمی نسخہ ۱۰۶۵ھ کا مکتوبہ ہے، اس کے کاتب شاہجہانی عہد کے مشہور

شاہی خطاط عاقل خاں ہیں، تقطیع متوسط، صفحات ۱۴۴، ہر صفحہ میں سطریں گیارہ، شروع سے آخر تک مطلا و مذہب ہے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ شاہی کتب خانے اور جہاں آرا بیگم کے ذاتی استعمال میں رہ چکا ہے،

۳- **سر اکبر** :- ہندو ویدانت کی مشہور کتاب "اُپنشد" کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ ہے، اس کا مترجم ہندو مذہب کا مشہور عالم و فاضل شاہزادہ داراشکوہ ہے، کتاب کے شروع میں بسم اللہ کے بجائے گنیش جی کی تصویر ہے، یہ نسخہ ۱۰۶۹ھ یعنی داراشکوہ کی زندگی کا مکتوبہ ہے، کیا عجب ہے کہ اس نے کسی سے لکھوایا ہو، خط فارسی نستعلیق، کاغذ سبز بادامی، طلائی جدولوں سے آراستہ، متوسط تقطیع کے ۲۸۳ صفحات پر مشتمل، ہر صفحہ میں ۱۷ سطریں۔ یہ کتاب ڈاکٹر تاراچند اور سید محمد رضا جلالی نائینی کی سعی و اہتمام سے ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں گرانقدر مقدمہ و حواشی اور تعلیقات و لغت نامہ کے ساتھ چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔

۴- **انیس الحجاج** :- یہ کتاب ملا معین صفی الدین اردبیلی بن قزوینی کی تصنیف ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ زیب النساء بنت اورنگ زیب عالمگیرؒ کے استاد تھے، اس کی تاریخ تصنیف ۱۰۸۷ھ ہے۔ مصنف نے اسے سفر حج کے دوران لکھا ہے، دراصل یہ مصنف کا سفر نامۂ حج ہے، اس کی اہمیت اس اعتبار سے بہت زیادہ ہے کہ یہ ہندوستان میں فارسی زبان کا پہلا سفر نامہ ہے، اب یہ نایاب ہے، ہندوستان کے کسی کتب خانہ میں اس کا پتہ نہیں چلتا، برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے، ریو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ کے شاہی توپ خانہ کے کتبخانہ میں اس کا ایک نسخہ تھا جس کو الیٹ نے دیکھا تھا۔

زیر نظر مخطوطہ نہایت قدیم، خوشخط اور مصور ہے، تاریخ کتابت درج نہیں، لیکن نہایت قدیم ہے، متوسط تقطیع کے پچپن ۵۵ صفحات پر مشتمل ہے، درمیان اور آخر کے چند صفحات غائب ہیں، کاغذ دبیز بادامی، پورا نسخہ مجدول و مطلّی ہے، خط فارسی نستعلیق، ہر صفحہ میں ۲۳ سطریں ہیں، سفر اور حج کے مختلف مقامات و مناظر کی ۱۹ تصویریں ہیں، جن کی آب و تاب ابتک قائم ہے، اس نسخہ سے متعلق ایک مفصل مضمون "معارف" میں محترم مدیر "معارف" کے قلم سے نکل چکا ہے،

۵- روضۂ تاج محل :- اس کتاب میں ممتاز محل ملکۂ شاہجہاں کے مختصر حالات، تاج محل اور شاہان مغلیہ کے دور کی بعض دوسری عمارتوں مثلاً سکندرہ، قلعہ، موتی مسجد، اکبر آباد، فتحپور سیکری وغیرہ کی تعمیر کا حال اور اس کے مصارف بیان کیے گئے ہیں، تاج محل میں استعمال ہونے والے پتھروں اور کاریگروں کے نام کی تفصیلات بھی مذکور ہیں، یہ نسخہ نہایت خوشخط اور مصور ہے، موتی مسجد، دروازۂ سکندرہ، درگاہ فتحپوری، مرقد شاہجہاں و ممتاز محل اور دوسری عمارتوں کے اعلیٰ نمونے کے نقشہ جات بھی ہیں، تاریخ کتابت اور کاتب کا نام درج نہیں ہے، لیکن طرز کتابت اور اوراق کی بوسیدگی سے اندازہ ہوتا ہے کہ نسخہ بہت قدیم ہے، کاغذ دبیز، خط فارسی روشن اور جلی ہے، متوسط تقطیع کے ۷۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۶ سطریں ہیں، تصویریں سب رنگین ہیں،

۶- دانش نامۂ جہاں :- اس کتاب کے مصنف حکیم غیاث الدین علی بن علی امیران حسینی المتوفی ۸۶۰ھ ہیں، یہ کتاب فلسفہ، طبیعیات کے مضامین پر مشتمل ہے، پیش نظر قلمی نسخہ نہایت قدیم اور خوشنما ہے، گمان ہے کہ تیموری ہی عہد کا مکتوبہ ہے،

سرورق پر ایک مہر دور ثبت ہے جس کے نیچے یہ عبارت ہاتھ سے لکھی ہوئی ہے :-

" من عواری الزمان عند العبد الضعیف الراجی الی رحمۃ اللہ المنان میرزا معتمد خاں ختم اللہ لہ بالامن والامان"۔

خط فارسی نستعلیق ہے، کاغذ بادامی دبیز، آخر کے چند صفحات غائب، چھوٹی تقطیع کے ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۵ سطریں ہیں۔

۷- نفحات الانس :- یہ کتاب مولانا جامیؒ کی مشہور و معروف تصنیف اور صوفیہ و مشائخ کا نہایت اہم تذکرہ ہے، فارسی زبان میں تذکرہ کی پہلی کتاب غالباً "طبقات الصوفیہ" ہے جو پانچویں صدی ہجری میں لکھی گئی، نفحات الانس کا ماخذ یہی ہے، جامیؒ کے بیان کے مطابق "طبقات الصوفیہ" ہروی لہجہ میں تھی، جامی نے اس میں ضروری ترمیم و اضافہ کرکے اسے عام فہم بنایا، اس لحاظ سے "نفحات الانس" نہ صرف تذکرہ بلکہ زبان کی حیثیت سے بھی خصوصی اہمیت کی حامل ہے، جامی نے بقول خود اس میں کچھ "سخنان چیدہ و معارف سنجیدہ" کا اضافہ کیا ہے، جس سے کتاب کی افادیت و اہمیت اور بڑھ گئی ہے،

پیش نظر مخطوطہ نہایت خوشنما نستعلیق خط میں ہے، تاریخ کتابت ۹۸۳ھ ہے، کاتب کا نام درج نہیں، سرورق اور آخری صفحہ پر دو دو مہریں ثبت ہیں، پورا نسخہ طلائی جدولوں سے آراستہ اور زرافشاں ہے، یہ متوسط تقطیع کے ۴۴۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، ہر صفحہ میں ۱۷ سطریں ہیں،

۸- سرو آزاد :- غلام علی آزاد بلگرامی کی ۱۱۶۶ھ کی مشہور تصنیف ہے۔ یہ کتاب دو دفتروں پر مشتمل ہے، دفتر اول صاحب کمالان بلگرام کے تذکرہ پر مشتمل ہے،

جو "مآثر الکرام" کے نام سے مشہور و معروف ہے، اور دفتر ثانی یہی "سرو آزاد" ہے جو بقول
مصنف "صاحب طبعان فارسی و قافیہ سنجان ہندی" کا تذکرہ ہے۔

پیش نظر قلمی نسخہ ۸ ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ کا مکتوبہ ہے، اس کے کاتب نواب امیر الملک
والاجاہ بہادر کے ایک تلمیذ ہیں، جو گنج منور کے نام سے معروف تھے، نسخہ کے سرورق
پر ایک مہر ہے، جس میں کتب خانہ نواب میر علی خاں کندہ ہے، کاغذ دبیز، لاجوردی ہے،
خط فارسی نستعلیق ہے، چھوٹی تقطیع کے ۱۰۱ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۸ سطریں ہیں۔

۹- **مثنوی منطق الطیر**:- حضرت خواجہ فرید الدین عطار کی مشہور و معروف
تصنیف ہے، سنہ کتابت درج نہیں لیکن خط اور کاغذ کے لحاظ سے بہت قدیم نسخہ
معلوم ہوتا ہے، عابد یار جنگ حیدر آباد کی ملکیت میں رہ چکا ہے، چھوٹی تقطیع کے
۲۴۳ صفحات اس کی ضخامت ہے، ہر صفحہ میں سطریں ۱۴ ہیں۔

۱۰- **گلشن راز**:- شیخ محمود شبستری کی مشہور متصوفانہ مثنوی ہے، یہ نسخہ ۱۰۹۴ھ کا مکتوبہ
ہے، کاتب کا نام نثار علی خاں ہے، کاغذ و کتابت نہایت عمدہ و خوشنما ہے۔

۱۱- **لخلخہ اور راحۃ الصدور**:- یہ دونوں رسالے ایک ہی جلد میں شامل ہیں، ان میں
عطریات کی کشیدگی کے طریقے بیان کئے گئے ہیں، "لخلخہ" اردو زبان میں ہے اور راحۃ الصدور
فارسی میں، یہ دونوں مخطوطے نہایت خوشنما و خوش خط اور دیدہ زیب ہیں، کاغذ
دونوں کا حنائی کشمیری ہے، اول الذکر کے مصنف کا نام حسن مرزا المعروف بہ قصد ہے،
مصنف نے اسے نواب میر فرخندہ علی خاں بہادر کی سرپرستی میں لکھا ہے، اور ثانی الذکر کے
مصنف میر محبوب علی خاں بہادر ہیں، انھوں نے اس کو نواب محمد حسین اور نواب سید عبد القادر
کے ایما پر لکھا تھا، کاتب دونوں نسخوں کے مرزا سلطان علی بن مرزا یسین بیگ حیدر آبادی ہیں،

پہلا رسالہ ۱۲۶۵ھ کا مصنفہ اور ۱۲۸۱ھ کا مکتوبہ ہے، اور دوسرا نسخہ ۱۲۸۲ھ کا مکتوبہ
ہے یعنی ایک سال بعد کا۔ دونوں نسخے چھوٹی تقطیع کے پچاس پچاس صفحات پر مشتمل ہیں،
ہر صفحہ میں ۱۳ سطریں ہیں، مختلف قسم کے عطریات کی کشید کے طریقوں اور ان کے
ظروف کی ۱۵ تصویریں بھی اس کی زینت ہیں، یہ دونوں نسخے تمکین کاظمی حیدر آبادی
کی ملکیت میں تھے، انھوں نے جون ۱۹۲۹ء میں کتب خانہ دار المصنفین کو ہدیہ کیا تھا،

۱۲- **دیوان شاہ قاسم انوار**:- یہ شاہ قاسم انوار کی غزلیات پر مشتمل ہے، پیش نظر
نسخہ مجدول و مطلا اور متوسط تقطیع کے ۱۰۷ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۲ سطریں ہیں،
کاغذ دبیز بادامی ہے، گیارہویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے، آخر کے چند صفحات غائب
ہیں، کاتب کا نام درج نہیں ہے،

۱۳- **بدیع العجائب**:- یہ کتاب ملک الشعراء حضرت امیر خسرو کی تصنیف ہے،
پیش نظر نسخہ ۱۲۳۸ھ کا مکتوبہ ہے، کاتب کا نام لعل خاں ہے، خط فارسی نستعلیق،
کاغذ دبیز بادامی، بمقام بہادر پور متصل صوبہ دار السرور برہانپور لکھا گیا چھوٹی
تقطیع کے پچاس صفحات پر مشتمل ہے، اور ہر صفحہ میں ۶ سطریں ہیں،

۱۴- **مثنوی فتوح الحرمین**:- مصنفہ مولانا جامی، یہ مخطوطہ نہایت خوشنما،
خوش خط، مصور، مذہب، قدیم اور قیمتی ہے، کتب خانہ دار المصنفین کے شعبۂ مخطوطات
کا بیش بہا خزانہ ہے، اس کے نسخے اب ناپید ہیں، خدا بخش لائبریری پٹنہ میں اس کا ایک
قلمی نسخہ موجود ہے، یہ کتاب دو بار چھپ چکی ہے، ایک بار مطبع نولکشور لکھنؤ
سے چھپی ہے، لیکن مطبع والوں نے یہ غضب کیا ہے کہ اس میں جہاں جہاں جامی کا نام
آیا تھا، اس کو نکالنے کی کوشش کی ہے اور اس کی جگہ پر حجی بنا دیا ہے، مطبع مجتبائی دہلی

نے اسے پوری صحت و صفائی کے ساتھ جامی کے نام سے شائع کیا ہے۔

۱۵۔ **مرثیہ کربلا**:۔ دکنی زبان میں پچاس صفحہ کا مختصر سا رسالہ ہے، انتہائی قدیم و خوش خط و خوشنما ہے، اول و آخر کے چند صفحات غائب ہیں، اس موضوع پر شاید اس سے قدیم "کربل کتھا" کے سوا کوئی تصنیف نہیں ہے، پیش نظر نسخہ دار المصنفین کا گرانقدر مخطوطہ ہے، کاتب اور سنہ کتابت کا پتہ نہیں چل سکا۔

۱۶۔ **خلاصۃ التواریخ**:۔ سجان رائے کھتری ہندی کی مشہور تصنیف ہے، یہ کتاب تواریخ و سیر کی مختلف مشہور و مستند کتابوں کا ملخص ترجمہ ہے، مثلاً سنگھاسن بتیسی، پدماوت، تیمور نامہ، تاریخ بابری، تاریخ کشمیر وغیرہ، پیش نظر نسخہ ۱۱۱۸ھ کا مکتوبہ ہے، لیکن کاتب کا نام درج نہیں ہے، خط نستعلیق نہایت جلی اور روشن اور نسخہ مجدول و مطلی ہے، کاغذ دبیز بادامی، متوسط تقطیع کے ۸۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں، کتاب کی آخری عبارت یہ شعر ہے:۔

نوشتہ بماند سیہ بر سپید

نویسندہ را نیست فردا امید

۱۷۔ **تفسیر مواہب**:۔ ملا حسین واعظ کاشفی المتوفی ۹۱۰ھ کی فارسی زبان میں مشہور و معروف تفسیر ہے، نسخہ مکمل ہے، کاتب کا نام سلیمان المعروف بہ قاسم اور تاریخ کتابت ربیع الاول ۹۴۶ھ ہے، تقطیع کلاں کے ۱۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۳۱ سطریں ہیں، شروع اور آخر کے چند صفحات کرم خوردہ ہیں، ہر سورہ کے آغاز میں زریں میناکاری کی گئی ہے، حاشیہ پر کہیں کہیں مختصر سے وضاحتی نوٹ بھی ہیں، صفحات کے درمیان متن قرآن کو سرخ روشنائی سے خط کشیدہ کردیا گیا ہے۔

۱۸۔ **ظفر نامہ امیر تیمور**:۔ مصنفہ شرف الدین علی یزدی، پیش نظر نسخہ ۱۳۳۵ھ کا مکتوبہ ہے، کاتب کا نام سید نعمت اللہ ہے، یہ نسخہ نہایت خوبصورت و خوشخط ہے، تقطیع کلاں کے سات سو صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۴ سطریں ہیں، خط فارسی نستعلیق، کاغذ عمدہ و دبیز۔

۱۹۔ **تاریخ فرشتہ**:۔ یہ قلمی نسخہ تاریخ فرشتہ کے چاروں اجزاء پر مشتمل ہے، یہ نسخہ محمد حسن حیدر آبادی کی ملکیت میں رہ چکا ہے۔ دار المصنفین کو یہ نسخہ لکھنؤ سے حاصل ہوا، نسخہ نہایت عمدہ ہے، تقطیع متوسط، خط فارسی نستعلیق، کاغذ دبیز بادامی، ضخامت ۷۸۰ صفحات، سطریں ہر صفحہ میں ۱۹۔

۲۰۔ **ترجمہ مہابھارت**:۔ ہند دیو مالوجی کی مشہور کتاب "مہابھارت" کا فارسی ترجمہ ہے، نسخہ نہایت عمدہ ہے، تقطیع کلاں کے ۲۹۰ صفحات پر مشتمل ہے خط فارسی نستعلیق کاغذ دبیز بادامی چکنا، تاریخ کتابت اور کاتب کا نام درج نہیں ہے۔

۲۱۔ **معرفۃ السلوک**:۔ شیخ محمد چشتیؒ کی تصنیف ہے، اس کا انتساب حضرت شاہ میرانجیؒ کے نام ہے، پیش نظر نسخہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے سنہ ۱۳ جلوس یعنی ۱۱۴۲ھ کا مکتوبہ ہے، کاتب کا نام سید ولی محمد ہے، نسخہ بہت اچھا ہے، کاغذ و کتابت عمدہ، متوسط تقطیع کے ۲۸۶ صفحات، ضخامت ہر صفحہ میں ۱۳ سطریں ہیں، خط فارسی نستعلیق ہے۔

۲۲۔ **کلیات کلیم**:۔ کلیم، دربار شاہجہانی کا مشہور شاعر تھا، اس نے مثنوی قصیدہ اور غزل وغیرہ تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے، یہ کلیات ان سب کا مجموعہ ہے، پیش نظر نسخہ نہایت عمدہ ہے، سرورق پر دو دو مہریں ہیں، نسخہ مجدول و مطلی اور خط نستعلیق کا بہترین نمونہ ہے تقطیع چھوٹی کاغذ خانی کشمیری صفحات؟

ہر صفحہ میں ۱۷ سطریں ہیں، کاتب کا نام درج نہیں، البتہ:

"بتاریخ ہشتم شہر محرم الحرام ۱۰۷۰ھ صورت تحریر یافت"۔

۲۳۔ قصص العجائب:۔ یہ کتاب مفتی عبد الواحد بن محمد نے شاہزادہ داراشکوہ کے لیے تصنیف کی تھی، بقول مصنف یہ کتاب بیس ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں چند فصلیں ہیں:۔

"این کتاب مشتمل است بر بیست باب و ہر باب
متضمن چند فصلے است"۔

یہ فارسی زبان میں بالکل اسی طرز کی کتاب ہے جیسی اردو میں "قصص الانبیاء" ہے، زیر نظر مخطوطہ ۱۰۵۹ھ کا مکتوبہ ہے، کاتب کا نام محی الدین بن نعمت اللہ ہے، جو پنیالہ کے رہنے والے تھے، نسخہ مکمل اور مجدول و مطلی ہے، چھوٹی تقطیع کے ۱۴۸ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ پر ۱۵ سطریں ہیں، کاغذ دبیز بادامی، خط فارسی نستعلیق جلی۔

۲۴۔ تزک جہانگیری:۔ محمد ہادی کی مرتبہ یہ قلمی نسخہ نہایت قیمتی و قدیم ہے، اول و آخر کے چند صفحات بوسیدہ اور کرم خوردہ ہیں، تقطیع متوسط، کاغذ عمدہ، خط فارسی نستعلیق صفحات ۳۰۰، سطریں ہر صفحہ میں ۱۸ ہیں۔

۲۵۔ روضۃ الصفاء:۔ یہ قلمی نسخہ "روضۃ الصفاء" کی پہلی جلد پر مشتمل ہے، اس کے مضامین قصص الانبیاء اور تواریخ و سیر سے متعلق ہیں، محمد بن خاوند شاہ المتوفی ۹۰۳ھ کی تصنیف ہے، یہ نسخہ گیارہویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے، آخر کے اوراق کرم خوردہ ہیں، کاتب کے نام کا پتہ نہ چل سکا، تقطیع متوسط صفحات ۶۸۰، سطریں ہر صفحہ میں ۲۵، کاغذ عمدہ، خط فارسی نستعلیق باریک۔

۲۶۔ فتاویٰ بابری:۔ مصنفہ نور الدین قطب الدین۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے، زیر نظر قلمی نسخہ گیارہویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے، کاتب کا نام درج نہیں، ضخامت ۳۴۰ صفحات تقطیع خورد، کاغذ عمدہ، خط فارسی نستعلیق، نسخہ ناقص الآخر ہے۔

۲۷۔ سفینۃ الاولیاء:۔ مصنفہ داراشکوہ، مکتوبہ ۱۲۰۶ھ تقطیع خورد، صفحات ۱۹۶۔ ہر صفحہ میں ۱۳ سطریں، خط فارسی نستعلیق، کاغذ دبیز بادامی، یہ نسخہ پہلے اور دوسرے جزوں پر مشتمل ہے، اس کے اوراق کرم خوردہ اور نہایت بوسیدہ ہو گئے ہیں۔

۲۸۔ گلستاں:۔ یہ قلمی نسخہ شان خط کے لحاظ سے قابل دید اور خط نستعلیق کا بہترین نمونہ ہے، پورا نسخہ مجدول و مطلی ہے، شروع و آخر کے چند صفحات غائب ہیں، تاریخ کتابت اور کاتب کا نام درج نہیں۔

۲۹۔ جواہر خمسہ:۔ مولانا محمد المخاطب بہ غوث کی تصنیف ہے، دعا و اذکار کے مضامین پر مشتمل ہے، تاریخ کتابت ۱۰۹۲ھ ہے، کاتب کا نام درج نہیں، اس مخطوطہ پر سلیمان جاہ کے کتب خانہ کی دو مہریں ۱۲۴۴ھ اور واجد علی شاہ کی دو مہریں ۱۲۶۳ھ ثبت ہیں، خط عربی نسخ، کاغذ بوسیدہ، تقطیع خورد، صفحات ۱۸۰، ہر صفحہ میں ۱۸ سطریں۔ حاشیہ پر جا بجا وضاحتی نوٹ ہیں۔

۳۰۔ انیس الارواح:۔ یہ رسالہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات پر مشتمل ہے، اسے حضرت خواجہ معین الدین سنجری چشتیؒ نے جمع و ترتیب دیا ہے، اس رسالہ کے مضامین ۲۸ مجالس پر مشتمل ہیں، پیش نظر نسخہ گیارہویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے، کاتب کا نام محمد حسین ہے، (جو اپنے آپ کو غلام محی الدین لکھتے ہیں)

اس نسخہ کے ساتھ ایک اور رسالہ بھی شامل ہے جو حضرت غوث الاعظم عبد القادر جیلانیؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے، دونوں نسخے ایک ہی سائز کے ہیں، ان کی مجموعی ضخامت ۴۴ صفحات ہے، سطریں ہر صفحہ میں ۱۵ ہیں۔

۳۱۔ **تذکرۂ مخزن الغرائب** :- احمد علی ہاشمی سندیلوی کا مشہور تذکرہ، زمانۂ تصنیف ۱۲۱۸ھ ہے، پیش نظر نسخہ قلمی ۱۲۲۰ھ کا مکتوبہ ہے، یعنی تصنیف کے کل دو سال بعد کا ہے، تقطیع کلاں کے ۱۰۱۸ صفحات پر مشتمل ہے، کاغذ دبیز بادامی، خط فارسی نستعلیق ہے، کاتب کے نام کا صحیح پتہ نہ چل سکا، غالباً عزیز الدین ہے۔

۳۲۔ **مرأۃ العالم** :- مصنفہ بختاور خاں، کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں، گمان ہے کہ تصنیف کے قریب ہی عہد کا مکتوبہ ہے، اس کے دو نسخے ہیں، ایک پہلی جلد پر مشتمل ہے، دوسرا دوسری پر، پیش نظر قلمی نسخہ کا جزء اول ۵۵۲ صفحات پر مشتمل ہے، اور دوسرا ۳۹۲ صفحات پر، تقطیع دونوں کی متوسط ہے، سطریں دونوں نسخوں کے ہر صفحہ میں ۲۱-۲۱ ہیں۔ کاغذ دبیز عمدہ، کسی قدر بوسیدہ و کرم خوردہ، خط فارسی نستعلیق۔

۳۳۔ **فرہنگ جہانگیری** :- فن لغت کی مشہور کتاب ہے، جمال الدین حسینی انجو کی مصنفہ ہے، پیش نظر قلمی نسخہ پر شاہجہاں کے وزیر لطف اللہ بن سعد اللہ کی ایک مہر ۱۰۶۴ھ ثبت ہے، آخر کے چند صفحات غائب ہیں، سنہ کتابت اور کاتب کا نام درج نہیں، نسخہ بہت قدیم ہے، متوسط تقطیع کے ۸۱۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں، کاغذ عمدہ اور خط فارسی نستعلیق روشن ہے۔

۳۴۔ **بدیع الانشاء** :- بلاغت و انشاء کے مضامین پر مشتمل ہے، یوسف بن محمد ہروی اس کے مصنف ہیں، پیش نظر قلمی نسخہ ہمایوں کے عہد کا مکتوبہ ہے، متوسط التقطیع کے ۱۳۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۸ سطریں، خط فارسی شکست، اکثر صفحات بوسیدہ و کرم خوردہ ہو گئے ہیں، سر ورق پر ایک مہر ثبت ہے، جس کے نقوش محو شدہ ہیں۔

۳۵۔ **مؤید الفضلاء** :- فن لغت کی مشہور کتاب ہے، محمد بن لاد دہلوی کی مصنفہ ہے، پیش نظر قلمی نسخہ بارہویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے، کاتب کا نام محمد نصیر الدین ہے، کاغذ عمدہ، خط عربی نسخ، تقطیع متوسط، ضخامت ۵۰۰ صفحات، ہر صفحہ میں سطریں ۲۱۔ اول و آخر کے چند صفحات غائب ہیں، حاشیہ پر جا بجا وضاحتی نوٹ مندرج ہیں۔

۳۶۔ **سکندر نامہ** :- نظامی گنجوی، مکتوبہ ۱۰۶۳ھ، کاتب کا نام مرزی خان ہے، پیش نظر نسخہ نہایت خوشنما ہے، خط نستعلیق قدرے باریک ہے، کاغذ عمدہ دبیز بادامی، متوسط تقطیع کے ۱۱۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۳ سطریں ہیں، پورا نسخہ مجدول و مطلی ہے، صفحہ اول پر نہایت دیدہ زیب گلکاری کی گئی ہے۔

۳۷۔ **مثنوی ناصر علی سرہندی** :- پیش نظر قلمی نسخہ ۲۱ محرم الحرام ۳۰ سنہ جلوس عالمگیری کا مکتوبہ ہے، کاتب کا نام درج نہیں، آخری صفحہ پر ایک محو شدہ مہر ثبت ہے، کاغذ عمدہ دبیز، خط فارسی نستعلیق جلی، تقطیع خورد کے ۷۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۵ سطریں ہیں۔

۳۸۔ **نسخہ اختر ہزاری** :- یہ رسالہ علم نجوم کے مسائل پر مشتمل ہے، مصنف شہر با محمد ہزاروی، پیش نظر نسخہ بڑی تقطیع کے ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں، نسخہ نہایت عمدہ ہے، کاغذ دبیز بادامی، خط فارسی نستعلیق نہایت روشن، بروج اور سیاروں سے متعلق کئی تصویریں اور نقشے ہیں، جن کے ذریعہ نجوم کے مسائل کو سمجھایا گیا ہے۔

اسی نسخہ سے منسلک ۱۲ صفحات کا ایک دوسرا نسخہ بھی ہے، یہ تعویذات سلیمانی اور اعمال قرآنی سے متعلق ہے، اس میں تعویذوں اور قرآنی عملوں کے ذریعہ مختلف بیماریوں کے علاج کی تدبیریں بتائی گئی ہیں۔

ان دونوں نسخوں کی شانِ کتابت سے اندازہ ہوتا ہے کہ کاتب دونوں کے ایک ہی ہیں، لیکن ان کا نام اور سنہ کتابت درج نہیں۔

۳۹۔ **کلمۃ الحقائق**:۔ یہ رسالہ حضرت شاہ برہان العارفین کا مصنفہ ہے، عقائد و فلسفہ کے مضامین پر مشتمل ہے، پیش نظر نسخہ بارہویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے، کاتب کا نام جان محمد ہے، چھوٹی تقطیع کے ۲۰ صفحات اس کا حجم ہے، ہر صفحہ میں ۱۷ سطریں ہیں، کاغذ عمدہ قدرے بوسیدہ، خط عربی نسخ باریک۔

اس نسخہ کے ساتھ ۶۰ صفحات کا ایک اور قلمی نسخہ بھی شامل ہے، اس کا نام "مخزن السالکین" ہے، یہ رسالہ تصوف وسلوک کے اسرار و معارف پر مشتمل ہے، اس کے مصنف بھی حضرت شاہ برہان العارفین ہیں، کاتب اور سنہ کتابت بھی دونوں کا ایک ہی ہے،

کلمۃ الحقائق کا ایک اور عالیشان نسخہ بھی کتب خانہ میں موجود ہے

۴۰۔ **دیوان حافظ**:۔ یہ پورا نسخہ مجدول و مطلی اور شان خط کے لحاظ سے قابل دید ہے، سنہ کتابت کا پتہ نہیں چلتا، لیکن قرائن سے بہت قدیم معلوم ہوتا ہے، تقطیع چھوٹی، خط فارسی نستعلیق باریک، کاغذ قدرے بوسیدہ،

۴۱۔ **مدارج النبوۃ**:۔ شاہ عبد الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و مقبول بلند پایہ تصنیف ہے، پیشِ نظر نسخہ اس کتب خانہ کا نہایت اہم نسخہ ہے، بارہویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے، کاتب کا نام درج نہیں، آخر کے چند صفحات غائب ہیں، متوسط تقطیع کے ۵۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۲۳ سطریں ہیں، خط فارسی نستعلیق، کاغذ دبیز بادامی عمدہ۔

(باقی)

آثارِ علمیہ

مکاتیب مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

بنام

سید غلام محمود شاہ بی اے (عثمانیہ) زمیندار، گونڈواکڑی (دھاراشٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۵ اکتوبر ۱۹۴۸ء

جوار جامعۃ العثمانیہ، حول المسجد الاقصیٰ حیدرآباد دکن

برادر محترم جناب مولوی سید غلام محمود شاہ صاحب[1] دام ظلکم و سلّمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ۔ اللہ اللہ اٹھارہ انیس سال کے بیتے ہوئے دن کا نقشہ آپ کے مکتوب گرامی کے پڑھنے سے آنکھوں میں گھوم گیا، کبھی کبھی اپنے قدیم عنایت فرما اصحاب سے جن کے سامنے مجھ کو اس کا موقعہ اس حقیر کو میسر آیا تھا، اس قسم کے خطوط جب آجاتے ہیں تو شرم سے نظر نیچی ہو جاتی ہے، حیرت ہوتی ہے کہ میرے خرافات کیا واقعی اس قابل تھے جن کی یاد دلوں میں باقی رہ گئی ہے، حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ نوازی کے سوا اور کیا سمجھوں، اپنی ظلومیت و جہولیت کا انکشاف روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے، بہرحال آپ جیسی سعید اور خوش قسمت ہستیوں سے خدمت کی نسبت قائم ہو گئی۔

---

[1] مکتوب الیہ کی شاگردی کا زمانہ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۱ء تک ہے۔

شاید میری مغفرت اور اس منزل کی دشواریوں کے حل کا ذریعہ بنجائے، جواب درپیش ہے، اپنا حال تو اب بیچارے مرحوم غالب کا حال ہے کہ ؎

ہو گئیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

آیت قرآنی یاایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیه (اے انسان تو دشواریوں میں کشمکش کرتے ہوئے اپنے مالک کی طرف جارہا ہے، پھر اچانک اس کے سامنے آجائیگا) شخصی، خاندانی، قومی، غرض زندگی کے تمام شعبوں کا یہی حال ہے، پہلوں کو بھی ان ہی حالات سے گذرنا پڑا اور اپنے رب سے جاکر مل گئے، ہم بھی ان ہی حالات سے گذر رہے ہیں روح ہر زمانے اور ہر دور میں ایک ہی رہی ہے، یعنی کدحی زندگی (مشقت اور دشواریوں سے بھری زندگی) صرف سانچے اور قالب بدلتے رہے ہیں، اسی سورۃ کے ساتھ "عم یتساءلون" کے پارے میں جو دوسری سورہ "الانفطار" نامی ہے، اس میں پھر اسی "الانسان" کو خطاب کرکے پوچھا گیا ہے کہ یاایھا الانسان ماغرک بربک الکریم (اے انسان تجھے کس نے دھوکے میں ڈال دکھا ہے اس رب کی طرف سے جو کریم ہے)، مشہور صاحب طریقت بزرگ شیخ محی الدین بن عربی نے ایک دلچسپ بات لکھی ہے کہ امتحانی سوال کی یہ وہ شرح ہے جس میں مہربان ممتحن نے جواب کی طرف بھی اشارہ فرمادیا ہے، اور وہ الکریم کا لفظ ہے، سوال کے جواب میں کہدینا چاہیے کہ لانک کریم (اس لیے فریب خوردہ رہا کہ آپ کی ذات کرم اور استحقاق کے بغیر مہربانی کرنے کی صفت سے موصوف ہے، لاحول ولاقوۃ گویا میں پھر لکچر کے حال میں منتقل ہو گیا، اور یہ خیال کرکے کہ آپ

کلاس میں تشریف فرما ہیں، پھر لکچر اس میں مشغول ہو گیا، عادت بری بلا ہے، اس جسارت کی معافی چاہتا ہوں، آپنے جوبات دریافت فرمائی ہے اُس کا جواب عرض کرتا ہوں۔

سوال آپ کا اہم اور اتنا اہم ہے کہ اس مسئلہ میں اپنی چوکڑی فقیر خود بھولا بیٹھا ہے روز بروز مشکلات میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے، تاہم تجربے کے بغیر ایک آخری تجویز دماغ میں جو ہے اُسے پیش کرتا ہوں، مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ خود ذاتی طور پر یا اپنے اثرات کے تحت کیا کچھ کر سکتے ہیں، بہرحال اگر ممکن ہو تو جس علاقہ میں آپ ہیں، اور سرکاری اسکول وہاں موجود ہے، مناسب ہوگا کہ اس اسکول میں تعلیم پانے والے مسلمان بچوں کے لیے خود کوئی اقامت خانہ قائم فرمالیجئے یا خود فرصت نہ ہو تو اس قسم کے کاروبار کا شوق آپکے گرد و پیش کے رہنے والوں میں کسی کے اندر اگر ہو تو ان سے کہئے کہ مسلمان بچوں کے لیے اقامت خانہ قائم فرمائیں، اس اقامت خانہ میں ممکنہ حد تک کم از کم مصارف کا بار طلبہ پر عائد کیا جائے اور سادہ سی زندگی گذارنے کی عادت اُن میں ڈالی جائے، ایک اچھے متقی پرہیزگار، لکھے پڑھے مسلمان کو اقامت خانہ کا تنخواہ دار مہتمم بنائیں، اگر کچھ دینی علوم سے واقف ہو تو ان ہی سے کام لیجئے، ورنہ پھر ایک اوسط درجے کے مولوی کی بھی ضرورت ہوگی، اس کا کام یہ ہوگا کہ اقامت خانے میں رہنے والے لڑکوں میں اسلامی زندگی پیدا کرے، راستبازی، دیانت وامانت کے ساتھ ساتھ نماز، روزے تلاوت کی پابندی کریں۔ اور صبح وشام یا رات، غرض اسکول کے اوقات کے باہر صرف ایک سبق یعنی قرآن کا ترجمہ کسی وقت مولوی صاحب سے پڑھ لیا کریں۔ قرآن کے ترجمے کے لیے مولویانہ نحو وصرف کی ضرورت نہیں، خاکسار نے بھی ادب قرآنی کے نام سے ایک مختصر سی کتاب لکھدی ہے، حیدرآباد میں ملتی ہے، مہینہ دو مہینے میں ختم ہو سکتی ہے، اس کے بعد قرآن کا ترجمہ

بآسانی خود عربی زبان میں طلبہ کو پڑھایا جاسکتا ہے، عم یتساءلون کی مختصر سورتوں سے شروع کرائیں، برس، دو برس، تین برس، غرض جب تک اقامت خانے میں طلبہ کا قیام رہے کم از کم قرآن کا یہ درس ان کے لیے لازمی ہو، اردو زبان میں بھی قابلیت بچوں کی اس طریقے سے ترقی کرے گی، اگر اس میں کامیابی حاصل ہو جائے تو موجودہ سرکاری تعلیم کا نصاب نظام کچھ بھی ہو، انشاء اللہ اس کا کوئی مضر اثر مسلمان بچوں اور آیندہ نسلوں پر نہ پڑے گا لیکن آپ کے لیے عام اقامت خانے کے قیام کا موقعہ اگر نہ ہو تو کسی مولوی کو دیوبند وغیرہ سے بلوا لیجئے اور گھر پر انفرادی طریقے سے ان بچوں کو قرآن کا ترجمہ پڑھوائیں، اور اسلامی زندگی کی تربیت ان ہی مولوی صاحب سے کرائیں، یہ جواب تو بچوں کے لیے ہوا، باقی بھی تعلیم کے متعلق جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ آپ کس چیز کی تعلیم دلانا چاہتے ہیں، کیا جواب دوں۔ فقط

مناظر احسن گیلانی

آخر میں آپ کی یاد فرمائی اور اس یاد فرمائی سے تھوڑی دیر کے لیے قلب محزوں کو جو مسرت حاصل ہوئی اس کا شکریہ، آپ کیا کرتے ہیں، بچے آپ کے کے ہیں، ان بچوں کو میری طرف سے دعا فرما دیجئے، خداوند قدوس اسلام کے ان نونہالوں کو دین و دنیا کی خوش حالیاں ارزانی فرمائے۔

(۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۰ نومبر ۱۹۴۸ء -
حیدرآباد دکن

اخوانی اللہ مولوی سید غلام محمود شاہ صاحب جلی اللہ عا قبتکم محمودا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے "باردار" لفافے کو دیکھکر فقیر تو ڈر گیا۔ یا اللہ سید صاحب کیا خفا ہو گئے، جو اتنا طویل مراسلہ ارقام فرما رہے ہیں۔ پڑھتا جاتا تھا اور ہنستا جاتا تھا۔

خدا جانے اس "سگ دنیا" کے متعلق آپ نے کیا کیا خیالات قائم فرما دیے، کوئی بات بھی ہوئی، ہزارہا ہزار انسانوں سے جامعہ میں تعلق پیدا ہوا، کوئی ان میں جب یاد کر لیتا ہے تو زندگی کے گزرے ہوئے دن یاد آجاتے ہیں، دل خوش ہو جاتا ہے، آپ نے میرے دل کو خوش کیا تھا، یقین مانیے کہ جواب کی عجلت میں جو آپ کو تعجب ہوا، اس کی وجہ صرف یہی تھی، اسی کے ساتھ اس سے بھی مسرت ہوئی کہ اپنی آیندہ نسلوں کو اپنے جد امجد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبین ہی کی راہ پر لگانے کے خیال میں آپ مشغول ہیں، اس زمانہ میں بھی کیا کم ہے، حق تعالیٰ نے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون مقدس کی امانت ان بچوں کی شکل میں سپرد کی ہے، جن کے خدا کے فضل سے آپ آج والد ہیں، یہ بچے سادات ہیں، ان میں علیؓ، اور فاطمہؓ کے خون کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اطہر کا بھی چھینٹا شریک ہے، بڑی قیمتی امانت آپ کے سپرد کی گئی ہے، یوں تو انسان سب انسان ہیں لیکن جن کے اندر خانوادہ نبوت کی بجلیاں پوشیدہ ہیں، انکی شان ہی دوسری ہے، خدا کا شکر کیجئے کہ نبوت کے گھرانے میں آپ کو ان چراغوں کے روشن کرنے کا ذریعہ بنایا گیا اور آپ پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس چراغ کو ایمان اور دین کی روشنی سے نہ صرف روشن رکھئے بلکہ دوسروں میں بھی ان سے روشنی تقسیم ہو، اس قابل ان کو بنائیے، جیسے ان کے گذشتہ آباء واجداد سے اس کفر کدے میں روشنی تقسیم کرائی گئی ہے، میری طرف سے ان سید زادوں کو مخلصانہ دعا پہنچا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ نبوت کی ان امانتوں کی حفاظت اور پروان چڑھانے میں آپ اپنے فرض سے سبکدوش ہوں گے۔

باقی جو سوال آپ نے فرمایا سچی بات یہ ہے کہ اس کا صحیح جواب نہ پہلے دے سکا اور آج بھی اسی پوزیشن میں ہوں، ادھر پچھلے سال ڈیڑھ سال میں ہندوستان کے نظام میں ایک غیر معمولی

انقلاب رونما ہوا ہے، اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا، ابھی اس کا اندازہ مشکل ہے، میں تقریباً دو سال سے
زیادہ مدت گذری جو حیدرآباد سے باہر گویا نکلا ہی نہیں، تو کچھ پتہ نہ چلا کہ آخر کیا ہونے والا ہے،
مسلمانوں کی تعلیم صحیح کا مسئلہ پہلے ہی سے پیچیدہ تھا اور پیچیدہ تر ہو گیا، حیدرآباد میں برے بھلے کچھ
کام ہو رہا تھا مگر اب تو کچھ نہیں معلوم کہ صورت کیا درپیش آنے والی ہے؟ اس لیے بلدہ کے متعلق
اس خط میں کچھ عرض نہیں کر سکتا، مگر واقعی آپ کی دشواری سخت ہے، پانچ میل آمد و رفت میں
بچوں کا وقت بہت ضائع ہوتا ہوگا، اور یہی مصیبت کیا کم ہے! آپکے وسائل و ذرائع سے ناواقفیت
کی وجہ سے "اقامت خانے" کا خیال دل میں ڈالا تھا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپکے بس کی بات نہیں ہے،
آخر جس قصبہ[1] میں آپ بچوں کو پڑھنے کے لیے روز پانچ میل گاڑی بیل پر بھیجتے ہیں، وہیں کرایہ پر
مکان لیکر اور دوسرے مسلمانوں[2] کے بچوں کے ساتھ بیس پچیس طلبہ کا اقامت خانہ بھی قائم
نہیں کر سکتے؟ بچے جو کچھ گھر میں کھاتے ہیں اقسام اناج ماہوار وہیں بھجوا دیجئے، پچیس ۲۵ طلبہ بھی
فراہم ہو جائیں اور دو دو روپیہ بھی ادا کریں تو مہتمم صاحب کے لیے پچاس کی تنخواہ ہو جائے گی، کھانا
بچوں کے ساتھ کھائے گا، علاوہ کھانے کے پچاس روپئے کی تنخواہ پر آپ کو ایک ایسا مولوی
مل سکتا ہے جو طلبہ کی نگرانی کرے، دینی تربیت دے، قرآن کا ترجمہ کسی وقت بچوں کو پڑھا دے

---

[1] پانڈرکوڑہ - مہاراشٹر میں ایوت محل ضلع کا ایک تحصیل مقام ہے۔ نادر

[2] آخر گرد و نواح کے مسلمانوں سے اس معاملہ میں گفتگو تو کیجئے، بظاہر یہ معمولی بات ہے، لیکن اس کے
نتائج بہت دور رس ہیں، خدا کرے مسلمانوں کی سمجھ میں کسی طرح یہ بات آجائے، میں تو چاہتا ہوں کہ ہر کالج
اور ہر ہائی اسکول کے ساتھ جن میں مسلمان بچے تعلیم پاتے ہوں ایسے بورڈنگ ہاؤس قائم ہو جائیں، چندے
سے جیسے مدرسے اسکول چلائے جاتے ہیں، اس وقت سب سے اہم اقامت خانے ہیں، جتنا روپیہ لوگ
اس پر خرچ کریں گے ثواب ہی ثواب ہوگا۔ (مناظر)

بظاہر پچاس کی یہ تنخواہ طعام و قیام کے فری ہونے کی وجہ سے سو سے زیادہ نفع بخش ہوگی، تعطیل کے دنوں
میں بچوں کو گھر پر رکھا کیجئے، اور درس کے ایام میں اسی قصبہ میں اسلامی اقامت خانے کی زندگی بسر کریں،
آپ پھر توجہ کیجئے، اسی اسکول میں جس میں آپکے بچے پڑھ رہے ہیں، دوسرے مسلمان بچوں کی بھی تھوڑی
بہت تعداد ضرور ہوگی، ان کے سرپرستوں سے مل کر ایک "اقامت خانہ" سارے جھنجھٹوں کا جواب ہوگا۔
بچے نظر کے سامنے رہیں گے، اپنی نگرانی بھی اقامت خانہ پر رکھیے گا، آمد و رفت کا بھی قصہ ختم ہوگا۔

بس خاکسار کی پرواز اسی حد تک ہے، باقی اس وقت شمالی و جنوبی ہند میں کسی ایسے مدرسے یا تعلیم گاہ سے
میں واقف نہیں ہوں جہاں آپکے مقصد کے مطابق آپکے بچوں کو تعلیم میسر آسکے۔ دیوبند اور ندوہ میں عربی مدارس
ہیں لیکن یہاں کی تعلیم معاشی امداد سے معذور ہے، علی گڑھ یا ڈھاکہ میں انگریزی تعلیم ہوتی ہے، لیکن چھوٹے بچوں
کے لیے وہاں بھی کوئی نظم نہیں ہے، یا ہو بھی تو ہر بچہ پر آپ کو اتنا خرچ کرنا پڑیگا کہ اس خرچ سے آپ
تنہا اسی قصبہ میں اقامت خانہ قائم کر لے سکتے ہیں، جہاں کے اسکول میں پڑھنے کے لیے اپنے بچوں
کو بھیجتے ہیں، مسلمانوں کو مستقل اسکولوں اور تعلیم گاہوں کا خیال ترک کر دینا چاہیے، بلکہ حکومت
وقت ہی کے مدارس میں بچوں کو پڑھوائیں، البتہ ہر اسکول کے ساتھ دینی تربیت کے لیے اقامت خانوں
کے کھولنے پر جتنا چاہیں زور صرف کریں۔

مسئلہ کے تمام گوشوں پر غور کرنے کے بعد فقیر تو اسی نتیجے تک پہنچا ہے، خاکسار نے مسلمانان ہند
کی تعلیم و تربیت کی تاریخ پر ایک ضخیم کتاب کئی سال ہوئے لکھی ہے، دہلی اردو بازار، ندوۃ المصنفین
دفتر برہان کے ادارہ نے دو جلدوں میں اس کو شائع بھی کر دیا ہے، اگر موقع ہو تو اس کو منگوا کر
پڑھئے، میرے نزدیک خالص دینی تعلیم والے مدرسوں سے بھی مسلمانوں کے مشکلات حل نہ ہونگے
بلکہ دشواریاں بڑھ جاتی ہیں۔

باقی اس فقیر کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ میرے سپرد کتنی امانتیں کی گئی ہیں، الٹی تو نہیں متعدد

لیکن اس وقت صرف ایک لڑکا، اور ایک بچی یہی دو باقی رہ گئے ہیں، لڑکے کی شادی ہوگئی ہے، وہ سسرال ہی میں رہتا ہے، یعنی پٹنہ (بہار) میں ماموں کی لڑکی سے اسکی شادی ہوئی، وہیں پڑھتا رہا ایم اے کا امتحان آخری اسی سال دیکر تعلیمی زندگی ختم کرکے مشرقی پاکستان میں اپنے سسرال کے لوگوں کے ساتھ ہے، اور وہیں غالباً کسی ملازمت وغیرہ کی تلاش میں بیچارہ سرگرداں ہوگا۔ بچی کی شادی ابھی نہیں ہوئی، ہاں لڑکے کو خدا نے تین بیٹے دیے ہیں، اور وہ اپنی ننہیال ہی میں ہیں، چونکہ آپ نے دریافت فرمایا تھا، اس لیے عرض کیا، باقی آخر میں اور عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ فقیر کے متعلق آپ کی عقیدت کچھ حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے، آپ نے بایزید و عطار وقت ہی خیال فرما لیا، اس غلط فہمی سے آپ کو نجات دینا ضروری ہے اپنی حالت واقعی صرف یہ ہے کہ کرم ہوا تو بیڑا پار نکل سکتا ہے، ورنہ یاحسرتیٰ علی ما فرطت فی جنب اللہ۔ مالک کے سامنے اس کے پہلو میں بیٹھکر جو زیادتیاں ہوئیں ان کو سوچتا ہوں تو فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول یاد آتا ہے، حج میں عرفات کے میدان میں تھے، سب مغفرت طلبی میں مشغول تھے اور فضیل کہتے جاتے تھے . . . . .

"بخشش بھی دیا تو میری اس ندامت کا کیا علاج جس میں ڈوبا چلا جاتا ہوں"

والسلام

آپ کا خویدم

مناظر احسن گیلانی

ادبیات

نیرنگیٔ دہر

از

جناب ڈاکٹر ولی الحق صاحب انصاری

راہِ حیات میں جو ہمیں ہم سفر ملے
منزل کے نام تک سے وہ سب بیخبر ملے

ہم کو جہاں میں جتنے بھی اہلِ نظر ملے
سب ہی شہیدِ معرکۂ خیر و شر ملے

کچھ حق پرست ہم کو وہی دار پہ ملے
نیزوں پہ بھی اٹھے ہوئے بعضوں کے سر ملے

رازِ حیات سے جو ہمیں باخبر ملے
گریہ بلب فغاں بدہن چشم تر ملے

ایسے بھی ہم کو باغِ جہاں میں شجر ملے
جن میں کبھی نہ پھول کھلے نے ثمر ملے

کچھ اس مزاج کے بھی جہاں میں بشر ملے
غیرت رہے رہے نہ رہے مال و زر ملے

ڈھونڈھا سراغ اہلِ نشیمن تو باغ میں
تھوڑی سی ہم کو راکھ ملی چند پر ملے

جو رہبریٔ نوعِ بشر کے تھے مدعی
گم کردہ راہ ہم کو وہی بیشتر ملے

قطراتِ اشک خونِ جگر پا کے آج ہم
کچھ ایسے خوش ہیں جیسے کہ لعل و گہر ملے

ہم اپنے زخمِ دل کا مداوا نہ کر سکے
مرہم کی جستجو میں ہمیں نیشتر ملے

کیسا ہے یہ نظامِ جہاں تیرا یا الٰہ
مانگیں شرابِ ناب تو خونِ جگر ملے

جو کھولتے تھے گردشِ شام و سحر کے راز
وہ بھی ہلاکِ گردشِ شام و سحر ملے

اے شورشِ جنوں ترا خانہ خراب ہو | تیرے سبب سے کتنے ہی برباد گھر ملے
کل تک یہی تو تھے مرے ہم بزم و ہم نوا | جو اجنبی سے آج سرِ رہگذر ملے
یہ بھی ستم ظریفیٔ تقدیر دیکھئے | کنجِ قفس کے ساتھ ہمیں بال و پر ملے
ہم نے یہ اپنی وضع نباہی تمام عمر | جس سے بھی ایک بار ملے عمر بھر ملے

خدمت میں اس کی پیش کرو یہ غزل ولیؔ
تم کو کہیں جو غالبِؔ آشفتہ سر ملے

غزل

از جناب رضا حیدر مخدومی نشیدؔ

اس طرح راہِ عشق میں گرمِ سفر ہوں میں | شعلہ کہیں ہوں اور کہیں برق و شرر ہوں میں
یاں تک کہ اب رہا نہیں قاصد پہ اعتماد | نامے کا اپنے آپ ہی پیغامبر ہوں میں
چشمِ سعد و نجوم ہی پہچانتی ہے کچھ | حسّاد کی نگاہ میں اک مشتِ پر ہوں میں
ذرے ہیں میری خاک کے رشکِ چراغِ طور | بعد فنا بھی مشعلِ راہِ خضر ہوں میں
میرے تغیرات ہیں نقشِ حیاتِ نو | ہر انقلابِ دہر کا پیغامبر ہوں میں
جس سے کہ وا ہوئے ہیں نئی زندگی کے باب | کاشانۂ جہاں کی وہ زنجیرِ در ہوں میں
جس کے افق سے پھوٹتی ہیں کرنیں نئی نئی | جس کی نہیں ہے شام کوئی وہ سحر ہوں میں
مثلِ حباب بحر کے مٹا نقشِ پا کی طرح | یوں انقلابِ دہر میں زیر و زبر ہوں میں

کیونکر کوئی جہاں میں ہو محرم مرا نشیدؔ
میں کیا ہوں اپنے راز سے خود بے خبر ہوں میں

مطبوعات جدیدہ

تجارتی سود تاریخی و فقہی نقطۂ نظر سے } مرتبہ مولانا فضل الرحمن صاحب، لکچرر شعبۂ سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۱۷۰، قیمت درج نہیں،

پتہ: یونیورسٹی پبلیکشنز ظہور وارڈ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

موجودہ دور کے اہم فقہی مسائل میں کمرشل انٹرسٹ (تجارتی سود) بھی ہے، ایک زمانہ سے اس کے جواز و عدم جواز پر بحث ہوتی چلی آرہی ہے، چند سال پہلے ادارۂ ثقافت لاہور نے بھی اس کے جواز میں ایک کتاب شائع کی تھی، جو مولانا شاہ محمد جعفر ندوی اور بعض دوسرے اہل علم کے جواز کے مضامین پر مشتمل تھی، زیر تبصرہ کتاب اس کا مدلل اور محققانہ جواب ہے، تجارتی سود کے جواز میں ایک ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے کہ عہد نبوی میں اور اس سے پہلے تجارتی اور پیداواری مقاصد کے لیے سودی کاروبار کا کوئی وجود ہی نہ تھا، اس لیے ربوا کا تعلق محض ذاتی ضرورتوں کے سودی قرضوں تک محدود ہے، تجارتی سود اس دائرہ میں نہیں آتا، لائق مصنف نے اس کتاب کے پہلے حصہ میں تاریخی شواہد سے قبل مسیح سے لیکر ظہور اسلام تک کی بعض متمدن قوموں اور ملکوں کے درمیان جن سے عربوں کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی تعلقات تھے مثلاً بابل، مصر، روم و یونان تجارتی سودی لین دین کا ثبوت دیا ہے، اور عہد نبوی اور اس کے بعد کے دور میں غیر سودی پیداواری قرضوں کی مثالیں حدیث و سیر اور فقہ کی معتبر کتابوں سے نقل کی ہیں جس سے قدیم زمانہ میں تجارتی سود کے رواج کا پورا ثبوت فراہم ہوجاتا ہے اور

مختلف ملکوں کے معاشی و تجارتی نظام کی اجمالی تاریخ بھی سامنے آجاتی ہے،

دوسرے حصہ میں تجارتی سود کی فقہی حیثیت پر مبصرانہ بحث اور ادارۂ ثقافت کی کتاب پر سنجیدہ اور فاضلانہ تنقید کی گئی ہے، اور اس کے مقالہ نگاروں کی علمی و تحقیقی فروگذاشتوں، حوالہ کی خامیوں، مغالطہ، خلط مبحث، موضوع سے انحراف، اہم، اصولی اور نتیجہ خیز آیات و احادیث کے بجائے، اپنے مزعومات و رجحانات کے مطابق اور مفید مطلب حدیثوں کا انتخاب اور ان سے استدلال کے نمونے دکھائے گئے ہیں، اور ربٰو سے متعلق آیات و حدیث کی تاویل و تشریح اور بعض فقہی مسائل مضاربت، قرض، شرکت، اجارہ اور بیع سلم وغیرہ پر بڑی دقیقہ سنجی سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور ربٰو کو ان کا مماثل قرار دینے کے دعووں کا تار و پود بکھیر دیا ہے، گو بعض آیات کی وضاحت میں اطناب اور مقالہ نگاروں کے ترجمہ کی غلطیوں کی گرفت میں خورد گیری سے کام لیا گیا ہے، لیکن کتاب خالص علمی و سنجیدہ تنقید کا نمونہ اور بڑی محنت و دیدہ ریزی سے لکھی گئی ہے، فاضل مصنف کو اسلامی اور جدید عصری علوم و قوانین دونوں سے واقفیت ہے، اس لیے دونوں پہلوؤں سے یہ کتاب نہایت جامع اور پُر از معلومات ہے، انداز بیان نہایت شگفتہ، سلیس اور دلنشین ہے، اگر وہ اس قسم کے دوسرے اہم مسائل پر بھی قلم اٹھائیں تو یہ علم و دین کی نہایت مفید خدمت ہوگی۔

خواجہ بندہ نوازؒ کا تصوف اور سلوک — مرتبہ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب، تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۱۲۴، قیمت غیر مجلد عالہ، پتہ: ندوۃ المصنفین، جامع مسجد، دہلی ۶

حضرت خواجہ سید محمد بندہ نواز گیسو دراز سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ اور حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کے اجل خلفاء میں تھے، اس کتاب میں فلسفہ و تصوف کے مشہور ماہر ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب نے

ان کے مسلکِ تصوف و سلوک کو شگفتہ اور دلکش انداز میں پیش کیا ہے، دوسرے مشائخ چشت کی طرح خواجہ صاحبؒ کے یہاں بھی عشق و محبت اور حق تعالیٰ کی معرفت ہی اصل ہے، اور ذکر و فکر اور رابطۂ شیخ اس کے طرق و وسائل ہیں، اس کتاب میں اصل اور تینوں طرق کی حقیقت، اقسام اور مراتب وغیرہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے، اور ان پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں اُن کا جواب دیا گیا ہے، آخر میں خواجہ صاحبؒ کے حالات و کمالات کا مختصر اور جامع تذکرہ اور شروع میں ایک مفصل مقدمہ ہے، مقدمہ میں علم طریقت و معرفت کی حقیقت و اہمیت، صوفیہ و مشائخ کی عظمت اور ان کے طریق سلوک پر اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، لیکن بعض دلائل اور تشریحات تشفی بخش نہیں ہیں مثلاً مراقبہ سے متعلق جو آیات و احادیث پیش کی گئی ہیں، ان سے انکی موجودہ نوعیت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، مشائخ کے بعض طرق کے بدعت نہ ہونے کا جواب بھی زیادہ واضح نہیں ہے، امام ابن تیمیہؒ کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے سبحان اللہ کو مرکب کے بجائے مفرد بتانا بھی محل نظر ہے، اس طرح کی بعض اور چیزوں سے قطع نظر اصل کتاب بڑی لطیف اور تصوف سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ — مرتبہ ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے، ایم، بی، بی، ایس، متوسط تقطیع، کاغذ معمولی، کتابت طباعت بہتر، صفحات ۲۳۶ مجلد مع گرد پوش قیمت للعہ پتہ دار الاشاعت الاسلامیہ کرشن نگر، لاہور۔

بارہ تیرہ سال پہلے جماعت اسلامی پاکستان کے جو ارکان اس سے علحدہ ہوئے تھے ان میں ایک ممتاز نام ڈاکٹر اسرار احمد اڈیٹر میثاق کا بھی ہے، یہ کتاب ان کا ایک بیان ہے جس کو انھوں نے بحیثیت رکن جماعت اکتوبر ۱۹۵۶ء میں جماعت کی جائزہ کمیٹی کے

سامنے پیش کیا تھا، اس میں جماعت کو دو ادوار میں منقسم کیا گیا ہے، پہلا تشکیل جماعت سے تقسیم ملک تک کا اور دوسرا تقسیم کے بعد سے ۱۹۵۶ء بلکہ اس وقت تک کا، جماعت کے لٹریچر سے ہر دور میں اس کے نظریات و اصول، طریقۂ کار اور خصوصیات کی تفصیل پیش کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ پہلے دور میں وہ اصولی اور اسلامی جماعت تھی اور دوسرے دور میں قومی و غیر اصولی جماعت، آخر میں مولانا مودودی کے ایک بیان کا جس میں طریقۂ کار کی تبدیلی کے وجوہ کا ذکر ہے تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، مصنف کے خیال میں اس تبدیلی کی وجہ "عجلت پسندی" ہے، لیکن نئے حالات کے مطابق ۴۷ء میں طریقۂ کار کی مجرد تبدیلی کو قابلِ اعتراض بتانا صحیح نہیں ہے، البتہ جماعت نے جس قسم کی تبدیلیاں کیں اور بقول مصنف جن سے اس کے بنیادی اصول بھی متاثر ہوئے اُن پر مصنف کے اعتراضات صحیح معلوم ہوتے ہیں، اسی طرح جماعت کے طریقۂ تنقید اور غلط طریقۂ کار کے جو نقصانات تحریر کیے ہیں وہ بھی بجا ہیں، گو اس بیان میں کہیں کہیں شدت اور مبالغہ کا رنگ آگیا ہے، مگر مصنف کا مقصد نیک ہے، شروع میں مصنف نے جماعت سے اپنی وابستگی اور تعلق کی جو روداد تحریر کی ہے، اس کو پڑھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر دوسرے دور میں جس کو نا خوب ثابت کیا گیا ہے، جماعت سے وہ خود کیوں وابستہ ہوئے اور اتنے دنوں تک منسلک رہے یہی سوال دوسری شخصیتوں کے متعلق بھی پیدا ہوتا ہے۔

اسلام کی نشأۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام مرتبہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت قدرے بہتر صفحات ۵۲، قیمت عہ پتہ ایضاً

یہ کتابچہ بھی ڈاکٹر صاحب کی تالیف ہے، اسکی تمہید میں مغربی فلسفہ و تمدن کے عام استیلاء، عالم اسلام میں اسکے سیاسی و فکری تسلط اور اس کے ردعمل میں رونما ہونے والی مسلم ممالک کی اسلامی تحریکوں کا جائزہ اور انکی ناکامی کے اسباب بیان کیے گئے ہیں، اسکے بعد اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لیے تجدید ایمان و اصلاح اعمال کی علمی تحریک کی ضرورت و اہمیت اور اسکے کام کے نقشہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

"ض"

جلد ۱۰۲ - رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۶۸ء - عدد ۶

مضامین

دار المصنفین کی نئی کتابیں

دار المصنفین کی حسب ذیل کتابیں یعنی دین رحمت (مصنفہ مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی) عہد مغلیہ ہند و مسلمان مورخین کی نظر میں (مرتبہ جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے) صاحب مراۃ المثنوی مولانا جلال الدین رومی کے سوانح و حالات اور انکے کشف و کرامات کا بیان (از قاضی تلمذ حسین صاحب مرحوم) تاریخ سلاطین کشمیر از ڈاکٹر محب الحسن ترجمہ علی حماد صاحب عباسی لکچرر شبلی ڈگری کالج اعظم گڈھ، چھپ چکی ہیں، شائقین طلب فرمائیں۔

منیجر